سید مسعود احمد شاہ

امثال
بے
مثال

سید مسعود احمد شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

سید مسعود احمد شاہ صاحب کی زیر مطالعہ کتاب "امثال بے مثال" قرآنی تمثیلات پر اپنے انداز میں ایک عالمانہ رواں تبصرہ ہے جو تفہیمی افادیت کا حامل ہے انتساب بڑا اچھوتا اور ایمان افروز ہے یہ ان لوگوں کے نام سے ممنون ہے جو حق وصداقت کا ادراک کر کے اسے منافقت ومصلحت کے پردے میں نہیں چھپاتے بلکہ بے خطر اعلان کر کے اصحاب عزیمت کی قیادت کرتے ہیں ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

نکل جاتی ہو جس کے منہ سے سچی بات مستی میں   فقیہہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

بس تو کہوں گا کہ شاہ صاحب بھی موجودہ دور میں اپنی ذات کے اعتبار سے عظمت و عزیمت کے پیکر ہیں ۔ انتظامی مصروفیات اور علمی کاوشیں ان میں سے ایک ہنگامہ آرائی اور ہاؤ ہو سے مرقع ہے تو دوسرا یکسوئی اور انہماک سے عبارت ہے ۔ آپ کی طبیعت نے ان دونوں کو جمع کر لیا ہے ۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی   اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش و لیکن   ہاتھوں سے ترے دامن افلاک نہ چھوٹے

پیر رومی نے فرمایا ہے

در کف جام شریعت در کف سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

شاہ صاحب نور رومی کے وہ مرد مومن ہیں جو جام و سنداں کو بیک وقت کامیابی سے چلا رہے ہیں ۔ آپ کی انتظامی صلاحیت مسلم ہے اور علمی نتیجہ فکر قارئین کے سامنے ہے ۔ منتظم اور مفکر یہ دو حیثیتیں ہیں یا ایک ، شاہ صاحب نے اپنی ذات میں ان دونوں کو یکجا کر دیا ہے ۔

لحق انت احدی المعجزات

اس سے قبل شاہ صاحب کی ایک کتاب "سبیل الرشاد" شائع ہو چکی ہے۔ منظم کتاب موصوف شاہ صاحب کا دوسرا علمی کارنامہ ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

شاہ صاحب نے قانون کے ساتھ ایم اے اسلامیات بھی کیا ہے۔ گویا وہ مزاج میں تسنیم کا مصداق ہیں، قانونی موشگافیاں اور بھول بھلیاں اور پھر اسلام کے جادۂ مستقیم پر گامزن رہنا یہ بات موصوف کی سیرت و کردار کی پختگی کی علامت ہے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں   جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

شاہ صاحب کا تعلق ضلع چکوال سے ہے اس وقت بہاولپور میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر (جنرل) کے عہدے پر متمکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو علم میں کس قدر رسوخ و استحکام بخشا ہے۔ اس پر آپ کی دونوں تصنیفات شاہد ہیں۔

عطر آنست خود ببوید   نہ کہ عطار بگوید

قرآنی اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب نیت باوضو ہو اور سمت صحیح ہو تو اسے ہر قاری اپنی فہم کی سطح کے مطابق سمجھ لیتا ہے۔ مگر جب وہ گہرائیوں میں اترتا ہے یا وسعتوں کو جھانک کر دیکھتا ہے تو اسے اپنے عجز اور بے بضاعتی کا اعتراف ہوتا ہے۔

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار   گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

نادرہ روزگار مفسر قرآن علامہ زمخشری جنہیں علوم و ادبیات کے مؤرخین نے امام علوم الدنیا کا لقب دیا ہے۔ کہتے ہیں۔

ما للتراب و للعلوم وانما
یسعی لیعلم انہ لا یعلم

کہ مٹی کی ایک مٹھی کو علم کے لازوال نور سے کیا نسبت ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ زندگی بھی جد و جہد کر کے یہ تہیہ کر لے کہ اس کو کچھ پتہ تاہم اس سلسلے میں ہمارے مفسرین کا انداز کافی فنی اور علمی رہا ہے

ان کو سمجھنے کے لئے فنی باریکیوں اور علمی مصطلحات سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ عام قاری ان کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے شاہ صاحب نے ایک نہایت سادہ اور پُر وقار انداز اختیار کیا ہے جو قرآن فہمی کے لئے مددگار ہے۔

جزاهم الله

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْر

(پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جاراللہ)
چیئرمین شعبہ عربی
و ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

عرضِ حال

میں یہاں ان صاحبان عزیمت کا ذکر نہیں کر رہا جو مامور من اللہ ہیں۔ اور جن کو اپنی پشت پناہی کرنے والی قوت کا مشاہدہ کی حد تک ادراک حاصل ہے وہ اپنے علم اور معرفت کی بنا پر اس دنیا کی اصل ماہیت کا شعور رکھتے ہیں۔ زندگی اور موت کی حقیقت سے کماحقہٗ آشنا ہیں بلکہ میں یہاں ان سے کم درجہ کے ان افراد کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، جو اسباب، علل کی اس دنیا میں اپنی عقل اور ایمان کے نور سے ان صاحبان ہدایت کے بتلائے ہوئے رستے پر ایمان لاتے ہوئے حقیقت سے روشناس ہوتے ہیں، اور پھر اس راستے پر کامل یقین کے ساتھ استقامت سے گامزن ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کا ایک گروہ کئی صدیاں قبل حق و باطل کے ایک معرکہ میں شمولیت کے لئے لایا جاتا ہے۔ فرعون کا دربار لگا ہوا ہے۔ درباری اور وزراء و امراء اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہیں۔ فرعون خود تختِ شاہی پر متمکن ہے۔ دربار میں ایک مقابلے کا اہتمام کیا گیا ہے، اس مقابلے میں شرکت کے لئے دور دراز سے ساحرین بلوائے گئے ہیں۔ یہ ساحرین اپنے اپنے فن میں ماہر ہیں، اس سے قبل بھی مختلف معرکوں میں اپنے کرتب دکھلا کر اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہ جب دربار فرعون میں آنے کے لئے اپنے گھروں سے رخصت ہوئے ہوں گے تو ان کے بیوی بچوں نے ان کو پیار محبت سے کامیابی و کامرانی اور خیر و عافیت سے واپسی کی دعاؤں اور نیک تمناؤں سے رخصت کیا ہو گا۔ ان کے ہمسایوں اور بستی میں بسنے والے دیگر افراد نے ان کو رشک اور حسد کے ملے جلے جذبات سے الوداع کیا ہو گا۔ انہوں نے خیال کیا ہو گا کہ یہ لوگ فرعون کی دعوت پر مصر جا رہے

ہیں اور وہاں کس قدر انعام و اکرام اور عزت و احترام سے نوازے جائیں گے
ساحرین مختلف علاقوں سے اکھٹے ہوگئے۔ اور ان کے چیدہ چیدہ افراد
فرعون کے سامنے لائے گئے تو انہوں نے مروجہ انداز میں کورنش بجالائی اور
فرعون کے اہتمام، دربار کی رونق اور تمام وزرائے و امرا کی حاضری سے انہوں
نے اندازہ کیا کہ یہ مقابلہ فرعون کی انا کا ہی نہیں بلکہ اسکی بقا کا مسئلہ بھی ہے
لہٰذا اپنے سابقہ تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ مقابلہ
جیت جانے کے بعد وہ مقابلے کرانے والے کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں کہ وہ
ان کو جو چاہے انعام دے۔ انہوں نے مناسب جانا کہ فرعون سے استدعا
کرکے جیت کی صورت میں اپنا معاوضہ پہلے سے طے کرالیں۔ ان کو یہ خیال بھی
ہوگا کہ فرعون یہ سمجھ کر کہ معاوضہ کے لالچ میں یہ لوگ اپنے حریف کو پچھاڑنے
کی بھرپور کوشش کریں گے زیادہ سے زیادہ معاوضہ طے کرلے گا اور دوسرا یہ کہ
معاوضہ کو مخفی رکھنے کی بجائے بھرے دربار میں فرعون سے معاوضہ طے کرلینا
ہی بہتر ہے تو انہوں نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ فرعون سے دریافت
لیا کہ اگر وہ جیت گئے تو ان کو کیا ملے گا۔

ان کے اس سوال پر فرعون نے ناراضگی یا حیرت و استعجاب کا اظہار نہیں
کیا۔ غالباً وہ بھی یہ چاہتا تھا کہ بات واضح کری جائے تاکہ مقابلہ کے شرکا انعام
کے لالچ میں مقابلہ جیتنے کی بھرپور کوششیں کریں۔ چنانچہ اس نے ساحرین کی درخواست
پر ان کو بتلایا کہ جیتنے کی صورت میں نہ صرف وہ ان کو مالا مال کر دے گا بلکہ وہ ان میں
سے اپنا مصاحب بھی مقرر کرے گا۔ اور یوں ان پر ان کے قبیلہ پر اور ان کے فن پر
خصوصی عنایت کرتے ہوئے ان کو سیاسی، درباری اور شاہی اثر و رسوخ سے نوازیگا
یہ ایسا اعزاز تھا جس میں دولت سے بھی زیادہ کشش تھی۔ اور آج تک ہے
دوسری طرف آمر شاہنشاہوں کا اس قسم کے اعزاز عطا کرنے پر کچھ خرچ نہیں

آنا بلکہ دربار سرکار میں ایک کرسی کا اضافہ ہی کرنا پڑتا ہے

اس شان اور کروفر کے ساتھ یہ مقابلہ شروع ہوا۔ ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ پہل کریں، موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہل کرنے کی دعوت دی۔ جس پر انھوں نے اپنی رسیاں زمین پر پھینکیں جو چھوٹے چھوٹے سانپ بن گئیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا نام لے کر اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا اور ساحرین کی تمام رسیوں کو ہڑپ کر گیا۔ ساحرین اپنے فن کے ماہر تھے اور ماہر فن حقیقت اور ملمع میں امتیاز کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مخالف نہ تھے۔ نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے ان کے مفادات پر زد پڑتی تھی، وہ تو یہ سن کر آئے تھے کہ ایک شخص عصا پھینک کر اژدہا بنا دیتا ہے اور اس قسم کی شعبدہ بازی (العیاذ باللہ) سے قوم کو گمراہ کر رہا ہے۔ وہ تو فرعون کے پراپیگنڈہ سے متاثرہ ہو کر اس کی دعوت پر مقابلہ پر آ گئے تھے۔ ان کی نگاہوں پر تعصب کے چشمے نہ لگے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے علم اور اپنے فن کی رو سے یہ بھانپ لیا کہ ان کا مقابلہ دنیوی ساحر سے نہ ہے کیونکہ وہ خود اس وقت کے مانے ہوئے ساحر تھے۔ اور سحر کے اسرار و رموز سے کلی طور پر آشنا تھے۔ لہٰذا کوئی شعبدہ اور کوئی سحر ایسا نہ تھا جو ان کے علم میں نہ ہو۔ انھوں نے بھانپ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام نہ تو خانوادہ ساحرین میں سے ہیں اور نہ ان کا عمل کسی قسم کے سحر کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ٹکرانا نہ تو ان کے بس میں ہے اور نہ ہی مناسب ہے۔

حقیقت کو جان لینے کے بعد اب ان کے لئے اس کا اعلان کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔ مگر یہ بات اتنی آسان بھی نہ تھی، وہ جانتے تھے کہ یہ اعلان ان کی موت کا پروانہ ہوگا۔ اور ایسا کوئی اعلان ان کو فرعون کے عتاب کا مورد

بنا دیا۔ ان کو یہ بھی علم تھا کہ ایک مطلق العنان فرمانروا کا عتاب ظلم و جور کی مثال ہوتا ہے مگر یہ تمام وسوسے انہوں نے اپنے اذہان سے آن واحد میں جھٹک دیئے اور اپنے حق میں یہی مناسب جانا کہ جو حقیقت ان پر منکشف ہو چکی ہے اس کا اعلان کر دیں۔

دراصل بات بھی یہی ہے کہ حق کا ادراک مشکل ہے۔ ایک مرتبہ حق کا ادراک ہو جائے۔ پھر حق اور اس کا ادراک خود ہی اعلان کرا لیتا ہے حق چھپ کر رہ بھی نہیں سکتا۔ کوئی سینہ ایسا نہیں جس میں حق ہو اور لب و دہن اور زبان کے ذریعے وہ حق مثل بوئے گل اس سے نہ نکلے، حق کو اپنے اندر سمیٹ لینے اور روک رکھنے کا ظرف کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

اسی طرح جب ساحرین دربار فرعون جو چند ساعت قبل فرعون کو اپنا ان داتا اور خدا مان کر اس کے آگے سربسجود تھے، اور اس کو مادی و ملجا مان کر اس کے آگے دست سوال دراز کئے ہوئے تھے، اب حق کو اپنے سینوں میں تڑپتا ہوا محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو خاک سے اٹھا کر فرعون کے تخت کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں۔ اور واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔

جس وقت وہ یہ اعلان کر رہے تھے تو ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے بیوی اور بچے، رشتہ دار، عزیز و اقارب، مال و متاع، دنیاوی آسائش اور رد ابلا ایک ایک کر کے ان کی نگاہوں میں گھوم گئے ہوں گے ان کو یہ خیال ضرور آیا ہو گا کہ ان کے پیچھے ان کے بچوں اور لواحقین کا کیا بنے گا، ان کو زندگی کی رعنائیوں کے چھن جانے کا احساس بھی ہوا ہو گا، ممکن ہے لمحہ بھر کے لئے رشتہ و پیوند کے بندھن و ہم و گمان نے حق گوئی کے منہ زور ریلے کے سامنے خس و خاشاک کا بند باندھنے کی کوشش بھی کی ہو۔ مگر بے سود، پھر ان

کو یہ خیال ہی گذرا ہوگا کہ موت کے دروازے سے گذرنا کتنا کٹھن اور تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ کسی تکلیف کی شدت کا احساس بھی ہوا ہوگا۔ وہ گوشت پوست کے انسان تھے۔ ان کی رگوں میں خون رواں دواں تھا۔ ان کے احساسات اور جذبات تھے اور ان سب کے کچھ تقاضے بھی اور زندہ رہنے کی خواہش بھی۔ ابھی چند لمحے قبل وہ دنیاوی انعام واکرام، مال ودولت اور وجاہت کا مطالبہ کر رہے تھے۔

ممکن ہے رسم و رواج کے مطابق بچوں کے ساتھ ان کے بیوی بچے بھی مقابلے کا تماشہ دیکھنے آئے ہوں۔ اور ان کی غمزدہ صورتیں ان کے سامنے ہوں، ان کے چہرے ان کے اس اعلان کے ساتھ ہی اتر گئے ہوں اور ان پر اداسی کے گہرے سائے چھا گئے ہوں۔ اور انہوں نے اشاروں کنایوں میں انہیں باز و ممنوع رکھنے کی کوشش بھی کی ہو۔

مگر وہ ان سب لوازمات سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ انہوں نے اشیاء کو ان کے اصلی رنگ میں اور مختلف حالتوں کو ان کے اصلی روپ میں دیکھ لیا تھا۔ وہ اندھیروں سے جہاں گرد و پیش میں موجود اشیاء کے ہیولے نظر آتے ہیں نکل کر اس روشنی میں آ گئے تھے جہاں ہر شے اپنے اصلی روپ میں دکھائی دیتی ہے اور جہاں ہر شئے کے خد و خال واضح ہو جاتے ہیں۔

مرد خدا کی زبان پر آیا ہوا جملہ رکتا نہیں۔ اور اس کا اٹھا ہوا قدم واپس نہیں ہوتا لہٰذا ان تمام امور کا آنِ واحد میں جائزہ لینے کے بعد ان سب نے یک زبان ہو کر اعلان کیا جس نے دربار فرعون میں تہلکہ مچا دیا۔ ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں۔ ہر زبان ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگی۔ ہر نگاہ شعلہ بار غضبناک ہو کر آگ برساتی ہوئی ان پر پڑنے لگی۔ ہر شخص ان کے مقدر پر افسوس کرنے لگا۔

فرعون نے یہ اعلان سنا تو اس پر تاسف، حیرت و استعجاب غصہ اور جھنجھلاہٹ کی ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی، مگر شاطرانہ مکاری اور عیاری بھی کارفرما رہی اور اس نے ساحرین دربار جواب مردان حر بن چکے تھے پر یہ الزام عاید کیا کہ تم بھی اس کے (موسیٰ علیہ السلام کے) ساتھی تھے، اور اس کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور یہ تمہارا سردار ہے اور تم سب نے مل کر یہ پلان تیار کیا ہے کہ تم بنی اسرائیل کو یہاں سے بھگا کر لے جاؤ۔ اس الزام سے وہ ایک خاص فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کے اس طرح بے ساختہ ایمان لانے سے ناظرین میں یہ تاثر پیدا ہونے کا امکان ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہ السلام حق پر ہیں اور یہ کہ ان صاحبان علم نے ان کے حق کو شناخت کر لیا ہے امید تھی کہ ان کے ایمان لانے کا یہ انداز حاضرین کو متاثر کر لیتا کہ فرعون نے یہ الزام دے کر ان کی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ اس نے یہ کہکر کہ درحقیقت تم سب ایک ہی گروہ کے افراد ہو اور تمہارا پلان اور مشن یہ ہے کہ تم بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے لے جاؤ ان کو اپنی حکومت کے استحکام کے منافی قوتوں کا آلہ کار ثابت کرنے کی کوشش کی اور اپنے دربار کے حاضرین کو ان سے متنفر کرنے کی کوشش کی۔

اس کے بعد فرعون ان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم نے یہ اعلان میرے اذن کے بغیر ہی کر دیا۔ اور یہ جرأت کی کہ مجھ سے پوچھے بغیر موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ ایسے لگتا ہے کہ فرعون کی حکومت کو وہاں کے بسنے والوں کے ایمان اور عقائد پر بھی قدرت اور اختیار حاصل تھا اور کسی کو حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی عقیدہ رکھنے یا اس کا اظہار کرنے کا حق حاصل نہ تھا

اب فرعون اپنی قاہرانہ اور جابرانہ قوت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اب تم دیکھو گے ہیں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں، میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تم کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ اور تمہیں عذاب کی موت سے دوچار کردوں گا۔

الزام تراشی اپنی حکومت کے دائرہ اختیار کا ذکر اور پھر اپنے عتاب کا انداز فرعون نے اس طرح بیان کیا کہ دربار پر سکتہ طاری ہو گیا۔

یہ سب کچھ سننے کے باوجود اور اس تمام عرصہ میں اپنے گرد و پیش کے خشمگیں ماحول کو دیکھنے کے باوجود، اپنے سامنے موجود بیوی بچوں کے اداس اُترے ہوئے چہرے دیکھنے اور پیچھے رہ جانے والے عزیز و اقارب کا تصور کر لینے کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آتی وہ سر مو اپنے موقف سے نہیں سرکتے اور ایک ساعت بھی غور و فکر کے لئے طلب نہیں کرتے۔ ان دونوں کے قد حق کا ادراک حاصل ہونے کے بعد اس قدر بلند ہو جاتے ہیں کہ وہ اہرام مصر کی عظمت اور بلندی کو خاطر میں نہیں لاتے اور فرعون سے آنکھیں چار کرتے ہیں شاید اس اعلان سے پہلے انہوں نے فرعون کے چہرے کو نظر بھر کر نہ دیکھا ہو کہ یہ ادب دربار کے خلاف تھا۔ شاید یہ پہلا موقع ہو کہ وہ اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے سینہ تانے سربلند کئے دربار میں کھڑے ہوں۔ اہل دربار نے یہ انداز اس سے قبل موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے علاوہ کسی اور اہل مصر سے نہ دیکھا ہو گا فرعون کی تمام گفتگو وہی مختصر سا جواب کہ :

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا

ان کا جواب تھا آپ جو چاہیں کر گزریں، آپ کی تمام قاہرانہ اور جابرانہ قوتیں ہماری ظاہری زندگی پر دسترس رکھتی ہیں، آپ زیادہ سے زیادہ ہماری یہ زندگی ختم کر سکتے ہیں۔ اس سے آگے آپ کا اختیار اور قدرت

ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ہم نے ایک ایسی زندگی میں جھانک لیا ہے جو نہ ختم ہونے والی اور ابدی ہے اور جس کے حسن رعنائی اور آسودگی کے آگے ہم ایسی ہزار زندگیاں قربان کرنے کو تیار رہیں۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ ظالم سے ظالم، جابر سے جابر حکمران موت سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا ہے وہ تو اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار کھڑے تھے۔ جسے اہل دنیا بہت بڑا اقدام سمجھتے ہیں وہ احرار کے لئے کچھ بھی نہیں۔

اب وہ صاحب ایمان اس تبدیلی ذہن وقلب کی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک انقلاب برپا ہو چکا ہے اور اس انقلاب کی بدولت ہم اپنے رب کی طرف منقلب ہو چکے ہیں۔ اب ہمارا ماوی وملجا مطمع نظر وقبلہ بدل چکا ہے۔ پہلے ہم اندھیروں میں تھے تو تمہیں اپنا ملجا وماوی سمجھتے تھے۔ اب ہم نے روشنی میں آکر اصل ملجا و ماوی کو پہچان لیا ہے۔ تمہیں اے فرعون کو اپنی اصلی ہیئت میں دیکھ لیا ہے۔ اور ہم جان چکے ہیں کہ تم ہم سے کسی حیثیت میں بلند و بالا نہیں۔

ناظرین اعلان کرتے وقت نہ تو ان کو خوف نے آ لیا، اور نہ ہی اعلان کرنے کے بعد حزن ان کا دامنگیر ہوا۔ حق وہ ہے جس کی صداقت کی شہادت دیتے ہوئے کسی قسم کا خوف دامنگیر نہ ہو۔ اور جس کی شہادت دینے کے بعد کسی قسم کا حزن یا ملال ذہن کو پریشان نہ کرے اور حق پرست وہ ہے جو زندگی کی تمام تکالیف ومشکلات جھیل جائے مگر خوف اور حزن اس کے قریب نہ پھٹکے۔ انبیاء کے بعد ساحرین دربار فرعون اس گروہ بے خوف وخطر اور بے حزن وملال کے سرخیل ہیں اور میں اپنی یہ حقیر سی کاوش انہیں صاحبان عزیمت واستقامت کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے یہ کہا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں   مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند   بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

مسعود احمد شاہ

لَاخَوفٌ عَلَیھِم وَلَاھُم یَحزَنُون

گزشتہ سطور میں میں نے ان صاحبان عزیمت کا تذکرہ کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے لاخوف علیہم ولاہم یحزنون کے زمرہ میں داخل فرمایا۔ اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لاخوف علیہم ولاہم یحزنون کی قرآنی اصطلاح کی تشریح کی جائے۔ قرآن حکیم میں یہ آیت پندرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ دو مرتبہ اس آیت کا نصف حصہ آیا ہے۔ اس آیت کریمہ کا لفظی مطلب یہ ہے "ان کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ بعض مقامات پر تو اس آیت کو ایمان اور عمل صالح کا انعام بتلایا گیا ہے۔ بعض اوقات اسے مرد مومن کی صفت بتلایا گیا ہے اور بعض مقامات پر اس کے ذریعہ جنت کے روح پرور اور تسکین آگیں ماحول کی عکاسی کی گئی ہے اس آیت کریمہ کے قرآن حکیم میں اس طرح بتکرار آنے سے میری توجہ اس آیتہ کی طرف مرکوز ہوگئی اور اس کے بعد میں نے اس کے معانی اور مطالب پر غور کیا تو میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ انسانی زندگی میں خوف اور حزن دو بہت اہم نفسیاتی کیفیتیں ہیں جن پر تمام تر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور یہ ہر دو نفسیاتی کیفیات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ میں ان دو کیفیتوں کا ذرا تفصیل سے اور الگ الگ جائزہ لوں گا۔

خوف ــــ خوف کا پودا انسانی قلب سے پھوٹتا ہے۔ جو مختلف نوع کے وساوس کا شکار رہتا ہے۔ اور مختلف خیالات و احساسات کی آماجگاہ ہے۔ یہ وساوس اور خیالات اور انسان کی سوچ کا انداز خوف کو جنم دیتے ہیں۔ خوف انسان کو مستقبل میں آنے والے لمحات کی گرفت میں بعض ان دانعات

سے ہوتا ہے۔ جن کے پیش آنے سے انسان گھبراتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے خیال میں کسی مادی (مالی یا جسمانی) نقصان یا ناآسودگی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔

انسان کے اندر خوف اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کماحقہٗ واقف نہیں ہوتا اور نہ ہی ماحول میں آشکار اور پوشیدہ قوتوں سے آگاہی رکھتا ہے۔ جیسے ایک انسان اندھیرے سے اس لئے خائف ہوتا ہے کہ اسے گردوپیش کی اشیاء اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آتیں اور وہ ماحول سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتا اور ایسے عالم میں کسی ناگہانی خطرہ کے پیش نظر خوف زدہ ہوجاتا ہے۔

انسان ایک اجنبی ماحول میں جانے سے بھی خوف زدہ ہوتا ہے۔ اس کے قلب کے کسی گوشہ میں یہ وسوسہ یا خدشہ جاگزیں ہوتا ہے کہ کہیں اس اجنبی ماحول میں ایسے عناصر بھی موجود ہوں جو اس کے ساتھ ذہنی و فکری ہم آہنگی نہ رکھتے ہوں۔ یا بعض نامعلوم عوامل کی بدولت اسے مالی جسمانی نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔

مستقبل میں پیش آنے والے بعض واقعات کا خفیف سا خدشہ تو دل کے کسی گوشہ میں جاگزیں ہوتا ہی ہے۔ مگر جب حالات ایسے ہوں کہ زمانہ حال بھی آنے والے مصائب کی نشاندہی کرتا ہو تو انسان آنے والے وقت سے خائف رہنے لگتا ہے۔ بسا اوقات وہ ایسے واقعات کے رونپذیر ہونے سے خوف زدہ رہتا ہے اور گھبراتا ہے جو آنے والے وقت میں اسے پیش بھی نہیں آتے اور یوں وہ اپنے ذہن کے بنے ہوئے وساوس کے تانے بانے میں الجھ کر اپنا حال بھی برباد کرلیتا ہے اور یہی اضطراب، خوف اور بےچینی اسے مستقبل میں پیش آنے والے مصائب سے چھٹکارا پانے کیلئے معقول منصوبہ بندی بھی نہیں کرنے دیتی۔ انسان کو کبھی روزگار کی فکر دامنگیر ہوتی ہے، کبھی خرابی

صحت نہ لی اور کبھی اپنے چہیتوں کے ساتھ ایسے ہی حالات کے پیش آ جانے کی ادر یہی ڈر ان کی گھمبیر ہو کر خوف کا روپ دھار لیتی ہیں۔

بسا اوقات انسان ایسے حالات میں گھر جاتا ہے کہ اس کا مالی جسمانی نقصان یا تکلیف ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تو ایسے عالم میں ان واقعات کے رونما ہونے سے گھبراتا ہے۔ ایسے عالم میں محض وسوسہ ہی نہیں بلکہ بعض عوامل بھی اس کے پیش نظر ہوتے ہیں، ہاں یہ بات اور ہے کہ وسادس ان عوامل اور حقائق کو مزید تاریک اور بھیانک بنا کر اسے دکھلاتے ہیں اور یوں اس کی گھبراہٹ خوف اور جھنجھلاہٹ دوچند ہو جاتی ہے۔

بہت سے لوگوں کو موت کا خوف دامن گیر ہوتا ہے جس کے پس پردہ ان کے اس دنیا کی لذات کے قطع ہو جانے اپنے عزیز و اقارب سے دوری اور پھر گھر بار کو خیر باد کہہ دینے کے ساتھ ساتھ آئندہ کا خوف بھی موجود ہوتا ہے۔ موت چونکہ اٹل ہے اور اس سے مفر نہ ہے۔ لہٰذا انسان اسے ایک ابدی حقیقت سمجھ کر قبول کئے ہوئے ہے اور اس پر اس قدر جزع فزع نہیں کرتا، ہاں اگر موت میں استثنیٰ ہوتی تو پھر یہ زندگی کس قدر بھیانک خوف و ہراس سے دوچار ہو جاتی اس کا اندازہ ہم موجودہ حالات میں نہیں کر سکتے۔

خوف جو پاس ہو اس کے چھن جانے کا ہوتا ہے اور حزن مال و اسباب میں کمی سے ہوتا ہے۔ خوف اندر سے ہوتا ہے۔ حزن باہر سے۔ خوف آئندہ کا ہوتا ہے۔ حزن گذشتہ اور حال کا۔ خوف اُٹھتے ہوئے قدموں سے ہوتا ہے۔ حزن اٹھائے ہوئے قدموں سے۔ خوف ان دیکھی راہوں کا ہوتا ہے۔ حزن ان راہوں کا ہوتا ہے جن پر چل چکے ہوں۔

خوف جب انسانی زندگی میں داخل ہو جائے تو جینا دوبھر کر دیتا ہے زندگی کا سکون تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ انسان کی طبیعت سکون نا آشنا

ہو جاتی ہے اور زندگی ہر لحظہ ایک انجانے خوف سے اجیرن رہنے لگتی ہے۔ انسان ان کہی اور ان ہونی سے ڈرتا ہے اور اس طرح زندگی سے حقیقی لطف حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ زندگی بجائے خود ایک وبال بن جاتی ہے

حزن

حزن ملال کو کہتے ہیں۔ انسان کی طبیعت میں افسوس اور رنج کی کیفیت کو حزن کہا جاتا ہے۔ حزن گذشتہ زندگی کے بعض اقدامات سے پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان سوچتا ہے کہ یوں نہ ہوتا تو یوں ہو جاتا ایسے ہوتا تو کتنا بہتر تھا۔ حزن زندگی اچاٹ کر دیتا ہے۔

حزن کسی مقصد میں ناکامی سے کسی شے کے حصول میں نامرادی سے اپنے پاس مادی وسائل کی کمی کے پچھتاوے سے گرد وپیش میں دوسروں کی کامیاب زندگی کے مقابلے میں اپنی کم مائیگی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں حسد اور رقابت جیسے مکروہ جذبات و احساسات جنم لیتے ہیں۔

حزن سے طبیعت ہر وقت مکدر رہتی ہے۔ یہ طبیعت میں بالیدگی اور خوشگواری کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ اور انسان مغموم اور ملول رہتا ہے اور اس طرح اس کی ذات سے جو شعاعیں نکلتی ہیں اور معاشرہ کے دیگر افراد پر پڑتی ہیں وہ بھی اپنے اندر وہی کیفیت لئے ہوتی ہیں اور اپنی کیفیتوں کو معاشرہ میں بکھیر کر معاشرہ کے حسن کو تہہ و بالا اور توازن کو ختم کر دیتی ہیں۔

جو شخص خود جھنجھلاہٹ اور بے زاری کا شکار ہو وہ معاشرہ میں امن اور سکون کا داعی کیونکر بن سکتا ہے۔ ایسے افراد کا معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جس شخص کے دامن میں سوائے یاس و حسرت اور وساوس و قنوط کے کچھ بھی نہ ہو وہ معاشرے کا دامن خوشحالی سے کیسے بھر سکتا ہے ایسا معاشرہ جنت نظیر تو کیا خوشگواری کا تاثر بھی نہیں رکھتا۔ اور اس کی مثال ایک پُرآشوب، جہنم نظیر معاشرہ کی ہی ہو سکتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں خوف اور حزن کو ایک باقاعدہ پروگرام اور التزام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس سے نجات کا دائمی اور تیر بہدف نسخہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔

یہ آیت کریمہ سب سے پہلے قرآن میں اس مقام پر آئی ہے جہاں انسان اول اور اس کے مختصر سے خاندان کو جنت سے رخصت کیا جا رہا ہے جب انسان دار الامن سے دار السلام سے دار المحن کی طرف روانہ ہو رہا ہے، اسے راستے کی صعوبتوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اسے اس دار المحن میں زندگی گذارنے کے انداز سکھلائے جا رہے ہیں۔

اسے راستے کی تاریکی کے پیش نظر ایک نورِ محض دیا جا رہا ہے۔ اسے چلتے ہوئے یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اس دار المحن میں زندگی گذارنے کا مفصل اور واضح طریق اسے بعد ازاں دیا جائے گا۔ اور ان میں سے جو بھی اس بتلائے ہوئے طریق پر چلے گا۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کی زندگی سے دو عفریت اور دو دشمن نکال دیئے جائیں گے۔

انسان زندگی بھر سکون آرام اور آسودگی کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور ان کے حصول کی فکر میں اپنی زندگی کو سکون نا آشنا کر لیتا ہے۔ لہٰذا اسے بتلا دیا گیا کہ تم صرف ایک بتلائے ہوئے طریق پر گامزن رہو اس راستے پر تمہارے سب سے بڑے دو دشمن موجود نہ ہوں گے، اور تم ان سے محفوظ و مامون رواں دواں منزل کی طرف گامزن رہو گے۔ وہ دونوں دشمن خوف اور حزن ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو میرے راستے پر چلے گا۔ وہ ان سے محفوظ و مامون رہے گا۔

ایک اور مقام پر اولیاء اللہ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی علامات یہ ہیں کہ ان کی زندگیاں خوف اور حزن سے پاک ہیں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام عظیم یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو ان دو خدشات سے مبرا کر دیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ ہم اب ہر اس مقام کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں جہاں قرآن حکیم میں اس ترکیب و اصطلاح کو استعمال کیا گیا ہے۔

دوسرے مقام پر آیت ۶۲ سورۃ بقرہ میں فرمایا:۔

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کام کئے نیک تو ان کا اجر ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں" (۶۲)

یہاں نوع انسانی کے مختلف طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر حقیقی معنوں میں ایمان لے آئے اور پھر اعمال صالح سے اپنی ذات کو مزین کیا ان کو اللہ کے ہاں سے اجر ملے گا۔ ان کی زندگی خوف اور حزن سے پاک ہو جائیگی ایمان کا تعلق خوف سے ہے اور عمل صالح کا تعلق حزن سے۔ ایمان کے ذریعہ انسان کی زندگی خوف سے محفوظ ہوتی ہے اور عمل صالح کے ذریعہ انسان کی زندگی حزن سے پاک ہو جاتی ہے۔

تیسرے مقام پر آیت ۱۱۲ سورۃ البقرۃ میں یوں فرمایا:۔

"کیوں نہیں جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے اجر اس کا۔ اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کا غم ہے"۔

یہاں بھی اسلام۔ جو ایمان اور عمل صالح کا حسین امتزاج ہے اور پھر احسان ہر دو کو اللہ تعالیٰ کے اجر اور اس انعام کا مستحق گردانا گیا۔

چوتھے مقام پر آیت ۲۶۲ سورۃ البقرۃ میں یوں بیان ہوا :-

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں۔ ان کو ہے اجر اپنے رب کے ہاں سے اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

یہاں اللہ کی راہ میں خالصتاً رضائے الٰہی کے لئے اپنے مال خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا مستحق گردانا گیا ہے۔

پانچویں مقام پر آیت ۲۷۴ سورۃ البقرۃ میں فرمایا :-

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپے اور کھلے تو ان کو ہے اجر اپنے رب کے پاس سے اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

یہاں ایمان، عمل صالح، اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کو اس عظیم انعام ربانی کا باعث بتلایا۔

ساتویں مقام پر آیت ۱۷۰ آل عمران میں فرمایا :-

یہاں ذکر ہو رہا ہے ان لوگوں کا جو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ سابقہ آیت ۱۶۹ میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا تذکرہ ہے۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا اللہ نے انکو اپنے فضل سے اور بشارت پاتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے۔"

شہداء اپنی شہادت پر شاداں و فرحاں ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب جلیلہ کے لئے منتخب کر لیا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے پیچھے جماعت مسلمہ کے ان افراد پر جو ابھی تک جدوجہد میں مصروف ہیں اور جام شہادت نوش نہیں کرسکے کی طرف سے بشارت پاتے رہتے ہیں۔ ان کے کارہائے نمایاں سے مطمئن اور شاداں ہیں۔ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اور جسمانی تکالیف کو برداشت کرنے پر بھی اور ان کی کشمکش اور شہادت کی بشارت پاتے ہوئے شاداں اور خوش اس وجہ سے ہیں کہ وہ خوف اور حزن سے بلند ہیں۔ خوف ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کرسکا اور حزن و ملال ان کے بڑھتے ہوئے قدوم کو نہ روک سکا۔

آٹھویں مقام پر قرآن حکیم میں آیت ۶۹ سورۃ المائدہ میں فرمایا،

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہود ہیں۔ اور صابئیں اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے"۔

اس سے گزشتہ آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے اور انہیں تورات اور انجیل پر کاربند رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

آیت ۶۹ کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو پہلے آیت ۶۲ سورۃ البقرہ میں آ چکا ہے اور اس مضمون میں بھی وہی مذکور ہے

نویں مقام پر آیت ۴۸ سورۃ الانعام میں فرمایا :-

"اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں وہ خوشی اور ڈر سنانے ہیں جو کوئی ایمان لایا اور صلاح کی تو نہ ڈر ہے اسے اور نہ وہ غم کھائیں"۔

اس مقام پر بعثت رسولاں کا اجتماعی مقصد بیان کردیا کہ وہ تو اہل

ایمان کے لئے بشارت اور اہل کفر کے لئے وعید لے کر آئے ہیں۔ جو شخص ان کے پیغام کو سن کر ایمان لایا اور پھر عمل صالح سے اپنے آپ کو مزین کیا۔ اپنی اصلاح کی۔ اب اسے نہ تو کسی کا خوف رہے گا۔ اور نہ ہی وہ حزن و ملال سے دوچار ہوگا۔

دسویں مقام پہ آیت ۳۵ سورۃ الاعراف میں فرمایا۔

"اے اولاد آدم۔ کبھی پہنچیں تمہارے پاس رسول تم میں سے اور سنائیں تم کو میری آیات تو جو متقی بنا اور اپنی اصلاح کی نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں"

اس آیت میں بھی گذشتہ آیت ۴۸ سورۃ الانعام والی آیت کا مضمون دہرایا گیا ہے۔

گیارہویں مقام پر آیت ۴۹۔ سورۃ الاعراف میں یہ آیت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

"اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھاتے تھے نہ پہنچائے گا اللہ ان کو کچھ خیر چلے جاؤ جنت میں، نہ ڈر ہے تم پر نہ تم غم کھاؤ۔"

اس سے گذشتہ آیات میں قیامت کے دن تین گروہوں کا مذکور ہے۔ ایک وہ جو اعراف میں ہیں اور حساب کتاب سے بے نیاز اللہ کے انعام و اکرام سے متمتع ہو رہے ہیں وہ جب جنت کے گروہ کو دیکھتے ہیں تو ان پر سلامتی بھیجتے ہیں۔ لیکن جب ان کی نگاہ اہل دوزخ پر پڑتی ہے۔ جن کو پہچان کر وہ ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔ کہ اے اہل دوزخ تم دنیا میں۔ ان لوگوں کے بارے میں قسم کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت میں جگہ نہ دے گا۔ دنیا میں اہل دوزخ انبیاء کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ جو تنگ دست اور تہی دامن انبیاء کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوئے

ہیں اللہ قیامت کے دن ان پر مہربان نہ ہوگا۔ بلکہ جس طرح (اہل دوزخ)
ان کو دنیا میں فراوانی۔ شادمانی اور عزت وتکریم عطا کی ہے، اسی طرح قیامت
کے دن بھی ان پر ہی مہربان رہے گا۔ مگر قیامت کے دن جب اہل دنیا کے
تمام تخمینے غلط ثابت ہوئے تو اہل اعراف ان کو مخاطب کر کے کہیں گے
یہ لوگ تو وہی ہیں جن کے بارے میں تمہارا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے
انعام سے نہ نوازے گا۔ مگر آج تو وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم
سے مکین ہیں پھر اہل اعراف اہل جنت سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ چلے
جاؤ جنت میں۔ جہاں نہ خوف ہے اور نہ حزن۔

بارہویں مقام پر آیت ۶۲ سورۃ یونس میں فرمایا :۔

"سن رکھو! جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان
پر اور نہ وہ غم کھا دیں"۔

اس آیت کے سیاق وسباق کا ہلکا سا تذکرہ بہت ضروری ہے
گذشتہ آیت ۶۱ میں فرمایا کہ تمہارے ہر کام کے وقت ہم موجود ہوتے
ہیں اور تمہارے رب سے زمین وآسمان کا کوئی ذرہ بھی غائب نہیں رہتا۔ اور
اس ذرہ سے چھوٹا حصہ یا بڑا حصہ بھی اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہ ہے۔
یہاں جدید دور کے مفسرین نے ذرہ سے مراد ATOM لی ہے۔ اور اس
سے چھوٹے سے مراد ATOM کے اجزا PROTON اور ELECTRON
لئے ہیں اور ذرے سے بڑا مرکب مراد لیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت
کاملہ کا ذکر ہے، ذرّے کا مذکور ہے جو کائنات کی تخلیقی اکائی ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ کے علم بے پایاں کا تذکرہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرمادیا کہ جو لوگ
اللہ کے دوست ہیں، اللہ کے طرفدار ہیں وہ بلاخوف، خوش وخرم زندگی گذار
سکتے ہیں، اگلی آیت ۶۳ میں فرمایا کہ اولیاء اللہ میں کون سے لوگ شامل ہیں۔

جو لوگ ایمان لائے اور متقی رہے۔ یعنی اس انعام ربانی کا استحقاق بیان کر دیا کہ صاحب ایمان متقی اس انعام کے مستحق ہوں گے۔ پھر آیت ۶۴ میں اور وضاحت کر دی کہ ان اولیاء اللہ کو بشارت ہے اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بات کو تبدیل نہیں کرتے اور یہ فوز عظیم ہے۔ تمام عزت اللہ کے واسطے ہے اور وہی سمیع ہے اور علیم ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو سمجھتے ہوئے اس کے وسیع علم کا ادراک رکھتے ہوئے اس کائنات کے تخلیقی رموز کی تحقیق کرتے ہیں اور اس کے قانون فطرت سے ہم آہنگ ہو کر زندگی کی راہیں مرتب کرتے ہیں۔ ایمان اور تقویٰ سے اپنی زندگیوں کو مرصع کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو اولیاء اللہ ہیں اور اللہ کے طرفدار ہیں اور دوست ہیں اور انہی کو بشارت ہے کہ ان کی زندگیاں دنیا اور آخرت میں خوف اور حزن سے مبرا ہوں گی۔

تیرہویں مقام پر آیت ۳۰ سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا:

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے
ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور
خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا"

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے دوست ہیں اس زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔

یہ انعام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اعلان کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس دعوے پر ڈٹ گئے اور قائم رہے۔

چودھویں مقام پر آیت ۶۸ سورۃ الزخرف میں قیامت کے دن اپنے نیک بندوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے میرے بندو نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ غم کھاؤ

پھر ان بندوں کی تعریف یوں کی کہ وہ لوگ ہیں جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی عورتوں کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤ۔

پندرہویں مقام پر آیت ۱۳ سورۃ الاحقاف میں فرمایا:

"بے شک جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

یہی لوگ ہیں جو سدا جنّت میں رہیں گے۔

یہ پروگرام ہے جس کے تابع اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوف اور حزن سے محفوظ و مامون کر دیا۔

مثال تشبیہ استعارہ

ہر کہنے والا اپنا مدعا اور مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ابتدا میں چند اشیا کے نام تخلیق ہوئے۔ یہ نام الفاظ کے پیکر میں ڈھلتے گئے۔ بعد ازاں الفاظ نے ترقی کی جس طرح ہر شے ترقی کی طرف گامزن ہے۔ پھر الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا چلا گیا اور مختلف اشیا مختلف حالتوں اور مختلف صورتوں کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہونے لگے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ بڑھنے لگا تو اسے ایک علاقے میں بسنے والوں اور ایک ہی تہذیب اور معاشرتی قدروں کے ماننے والوں نے ایک زبان کا قالب عطا کر دیا۔ پھر معاشرہ میں ایسے افراد پیدا ہونے لگے جو الفاظ کے چناؤ، تراکیب اور زبان کی بندش میں انتخاب کے قائل تھے۔ ان حضرات نے زبان کو شستگی اور نفاست دی اور اب زبان صرف مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ ہی نہ رہی بلکہ اس میں حسن اور ندرت کو بجائے خود ایک مقام حاصل ہو گیا۔ پھر زبان کی چاشنی اور لذت سے آشنا انہی افراد نے اس کے قواعد اور ضوابط بھی مرتب کئے اور اس طرح ایک باقاعدہ زبان نے جنم لیا۔ تاکہ عوام الناس اس کی پابندی کریں اور ایک مخصوص علاقہ کے لوگوں میں اس زبان کے الفاظ، تراکیب اور محاورہ کو ایک مخصوص معیار حاصل ہو۔ مافی الضمیر کے اظہار کا پیرایہ جس قدر حسین اور جاذب ہو اس کی طرف جھکاؤ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے اور قاری یا سامع کا ذہن اس طرف مائل ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہذا جب زبان ابتدائی مراحل سے نکلی تو اس کی نوک پلک درست کرنے کی فکر پیدا ہوئی۔ اور پھر اسی زبان کو ان لوگوں

نے وہ شستگی اور روانی عطا کر دی جو آگے چل کر اہل زبان کہلائے، زبان اس طرح نوع انسانی کے دوسرے علوم و فنون سے پہلے ترقی کی منازل کی طرف چل پڑی کیونکہ یہ دیگر علوم فنون کی ترقی اور ترویج کا ذریعہ تھی لہٰذا اس کا دوسرے علوم و فنون سے سبقت لے جانا قدرتی امر تھا۔ جوں جوں علوم و فنون ترقی کرتے گئے زبان میں ان کے اظہار کے لئے وسعت پیدا ہوتی گئی۔ ایک مقام ایسا بھی آیا جب زبان عہد طفولیت سے گزر کر بچپن کی حدود کو عبور کرتی ہوئی نوجوانی کے عہد میں داخل ہوگئی تو بعض باتوں کو مزید واضح کرنے اور ان کے تمام تر پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور سمجھانے کے لئے تشبیہ، استعارہ کا استعمال شروع ہوا تشبیہ، استعارہ، مثال۔ عربی زبان کے تین الفاظ ہیں جن کا مصدر شبہ، عار، مثل ہیں۔ یہ تینوں لفظ اردو زبان میں بھی قریب قریب اپنے اصلی معنوں میں مستعمل ہیں، شبہ سے مراد شک لی جاتی ہے۔ شبہ کا مطلب ہے ایک شئے کی حالت کی دوسری شئے یا حالت سے مماثلت جس سے ایک شئے یا حالت کا دوسری شئے یا حالت پر گمان ہو سکے اور یوں شبہ نے شک کو جنم دیا کہ ایک شئے کا دوسری شئے پر قیاس کر لیا گیا اور بعد ازاں وہ ویسی نہ نکلی تو اسے شک کہا گیا۔ اور اگر جیسے گمان کیا تھا ویسی ہی نکلی تو شبہ حقیقت میں بدل گیا۔ اس سے شبیہ بنا۔ جسے صورت مراد لی جاتی ہے اور ایک صورت کو اقدار مشترکہ کی بنا پر دوسری صورت سے تشبیہ دینا یا مثال دینا کہلایا عار کا مطلب ہے مانگنا، عرف عام میں ادھار مانگنا یا کسی شئے کو کچھ دیر کے استعمال کے لئے مالک سے مانگ لینا۔ اردو زبان میں عار شرم کے معنوں میں بھی مستعمل ہے، میرا خیال ہے کہ چونکہ مانگنے میں ایک خاص حجاب اور شرم کا پہلو ہوتا ہے لہٰذا لفظ عار شرم کے معنوں میں بھی اپنے اصل مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ مثلاً عاریتاً، مستعار، جیسے علامہ اقبال نے کہا۔

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا

مستعار میں ناپائیداری کا بھی عنصر شامل ہوتا ہے۔ پس استعارہ کا مفہوم ہوا کسی شے یا حالت کے خواص کا عارضتاً لے کر دوسری شے یا حالت پر منطبق کر دینا۔

تمثیل

تمثیل کہتے ہیں کسی شے یا حالت کا دوسری شے یا حالت سے ظاہری شکل میں مماثلت ہونا۔ اس سے مثال اور تمثیل بنا۔ مثال میں کسی شے یا حالت کے مضمرات اور لوازمات کو ایک مثال دیکر اجاگر کرنا جس میں منظر کشی اور ظاہری، کیفیت کا اور صورت کے بیان کا دخل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری زبان میں ڈرامے کو بھی تمثیل کہتے ہیں۔ لہٰذا مثال میں بھی ایک ڈرامائی کیفیت غالب ہوتی ہے اور اس کے ذریعے مدعا کے اظہار میں ایک خاص قسم کی مدد لینی مقصود ہوتی ہے۔ تاکہ بات کے تمام معانی قاری یا سامع پر واضح ہو جائیں اور وہ اپنے ذہن میں صورت کشی سے ایک خاص حالت کو محسوس کر کے اس کا ادراک کر سکے۔

لہٰذا یہ واضح ہوا کہ تشبیہہ۔ استعارہ، مثال کا استعمال زبان میں مطلب اور مافی الضمیر کو زیادہ اجاگر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں اگرچہ ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں مگر مثال ان سے بعض باتوں میں تھوڑی جدا ہے۔ مثال میں جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے صورت گری اور منظر کشی کی کیفیت ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ اس میں طوالت کلام ہوتی ہے جبکہ تشبیہہ اور استعارہ کی خصوصیت اختصار ہے۔ طوالت کلام کے علاوہ مثال میں ایک علیحدہ ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی تفاصیل میں اس شے یا حالت سے جس کے ساتھ مثال دی جا رہی

ہے نہ ہی ملتی ہو مگر معانی اور نتیجہ میں اس سے ملتی ہوگی
قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مختلف مثالوں سے بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا تذکرہ یہاں مقصود ہے

مثال ۱:-

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

سورۃ البقرہ۔ آیات ۱۷۔۱۸۔۱۹۔۲۰ میں دو مثالیں دیکر منافقین کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ان آیات سے پہلے منافقین کا بیان ہورہا ہے کہ کس طرح وہ دعوی کرتے ہیں ایمان کا جبکہ مومن نہ ہیں۔ اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ دھوکہ دیں اللہ کو اور مومنین کو مگر دراصل لاشعوری طور پر وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ ان کے دل مبتلا مرض ہیں، اور اللہ ان کے مرض میں اضافہ کرتے ہیں اور مرض کا اضافہ ہی ان کے حق میں عذاب عظیم ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔
جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کررہے ہیں۔ اور فساد کو اصلاح کا نام دیکر اس پر تواتر سے عمل کرتے ہیں۔

حالانکہ وہ مفسد ہیں اور فساد اور صلاح کی تمیز سے عاری ہیں، جب ان سے کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے عام لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں، یعنی وہ اپنے آپ کو عوام الناس کی سطح سے بلند سمجھتے ہیں خود کو خواص میں شمار کرتے ہوئے ان عام مومنین کو بے وقوف کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے وقوف یہ خود ہیں مگر اس بات کا علم ہی نہیں رکھتے۔ یہ دین کو اور صراط مستقیم کو اس سنجیدگی سے نہیں لیتے اور ایک عام ہنسی مذاق کی واردات سمجھتے ہیں۔ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ہی مومن ہیں اور جب اپنے ہم جولیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مومنوں سے مذاق کر رہے ھیں۔ اللہ ان سے ایسا مذاق کرتے ہیں کہ ان کو ان کی شرارت میں آگے دھکیلے چلے جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۶ میں ہلکے پھلکے انداز میں استعارہ سے ان منافقین کی ذہنی اور قلبی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور اسی آیت کے بعد کی آیات میں دو واضح مثالیں دی گئی ہیں، آیت نمبر ۱۶ میں کہا ہے کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدنے میں گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور ان کی یہ خرید ان کے حق میں نفع بخش ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ ہدایت نہ پا سکے۔ منافقین چونکہ اپنے ذاتی، مادی، اغراض و مقاصد کے پیش نظر ہی یہ روش اختیار کرتے ہیں لہٰذا ان کی کیفیت کو ان کی ہی زبان میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اگرچہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایسا کر رہے ہیں لیکن ایسا کرتے ہیں ان کی عقل جو فساد اور صلاح میں تمیز کرنے اور دین سے ہنسی مذاق کا رویہ اختیار کرنے میں اور حسن و قبیح میں امتیاز کرنے میں مات کھا چکی ہے۔ وہ باوجود ان کی خواہش کے تجارت میں بھی ان کو خسارے کے سودے پر مائل کر لیتی ہے اور وہ وقتی مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح

دیکر خرید لیتے ہیں، اور یوں ھدایت سے دور ہوکر اس کے دائمی فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں۔

پہلی مثال میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یہ لوگ ہیں جو روشنی کے حصول کی خاطر آگ جلاتے ہیں اور ماحول کو آگ کے جلانے سے روشن کر لیتے ہیں، مگر ان کے اندر کا نور اللہ تعالیٰ چھین لیتے ہیں اور وہ پھر اندھیرے میں دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

جب انسان کے اندر کا نور اور باہر کی روشنی ہوتی ہے تو تاریکی چھٹ جاتی ہے اور انسان کو اس کے گرد وپیش کی اشیاء اپنے اصلی و ظاہری روپ میں نظر آنے لگتی ہیں، مگر ان افراد معاشرہ کا عالم یہ ہے کہ وہ فساد کو صلاح کہتے ہیں۔ جہاں سنجیدگی سے کام ہو تو وہاں استہزاء اختیار کرتے ہیں اور نقصان کی تجارت کرتے ہوئے گمراہی اور ہدایت میں سے گمراہی کو خرید لیتے ہیں، چونکہ باہر کا نور تو موجود ہے مگر ان کے اندر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے لہذا وہ لوگ اپنے باطنی نور کے ناپید ہونے کی وجہ سے تاریکی کا شکار رہتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ قوت گویائی ختم ہو جاتی ہے، قوت سماع اور قوت بصر سے محروم ہو جاتے ہیں، گویائی، سماع، بصر حواس خمسہ میں سے ایسے حواس ہیں جو علم کا ذریعہ بنتے ہیں، جو چیزوں کی شناخت کا وسیلہ ہیں جو اصل روپ اور حالت کو پرکھنے اور جانچنے کا سبب ہیں۔ یہ قوتیں اگر گرد وپیش کو اصل روپ میں نہ پیش کر سکیں یا یہ تو کریں مگر انسان کا اپنا شعور اور ادراک ان کو اصل روپ میں نہ دیکھے تو پھر ان قوتوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اور یہی کیفیت ان انسانوں کی ہے۔ جو وقتی مفادات اور مصلحتوں کی عینک سے دیکھتے ہیں جو اپنی ذاتی پسند کی باتیں سنتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق بات کہتے ہیں، لہذا وہ ان قوتوں سے استفادہ کرنے کی

صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں اور چونکہ علم و دانش اور عقل و حکمت کے تمام دروازے اپنے اوپر بند کر چکے ہیں لہٰذا ان کا سیدھے راستے پر چل پڑنا بعید از قیاس ہے، قوت گویائی کے سلب ہونے سے انسان کے اندر کا مواد باہر نہیں آسکتا۔ قوت سماع اور بصر کے مفقود ہونے سے انسانی کے باہر سے کوئی خیال اندر نہیں جا سکتا۔ لہٰذا ایک فکری STAGNATION کا مقام پیدا ہو جاتا ہے جس میں آدمی سابقہ روش اور مقام پر ہی کھڑا رہتا ہے اور انسانی زندگی میں یہ مقام موت سے کم نہ ہے کہ ہر آن بدلتے اور آگے بڑھتے ہوئے حالات میں ایک شخص ایک ہی مقام پر رک جائے۔

منافق: عربی زبان میں نفق کہتے ہیں ایسی سرنگ کو جس کے دو دھانے ہوں اور نافقا جنگلی چوہے کے بل کو کہتے ہیں جس میں وہ ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ اس سے نفاق ماخوذ ہے جس کا مفہوم ہے دین میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا

خلاصہ سیاق منافق کی علامات جو سیاق و سباق میں بیان ہوئیں۔

۱ ۔ منافق مفسد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں۔
۲ ۔ ایمانداروں کو بیوقوف گردانتے ہیں۔
۳ ۔ ایمان کو استہزا کی شے سمجھتے ہیں اور اہل ایمان و خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔
۴ ۔ ہدایت کی بجائے گمراہی کو خرید کرتے ہیں۔

خلاصہ مثال

۱ ۔ یہ لوگ اندھیرے میں ہیں۔
۲ ۔ ماحول کو روشن کرنے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔
۳ ۔ جب ان کے گرد و پیش کا ماحول روشن ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ

ان کے نور باطن کو سلب کر لیتے ہیں۔

۴۔ مقصد یہ کہ وہ نور باطنی سے محروم ہونے کے بعد پھر سے اندھیرے میں گم ہو جاتے ہیں۔

۵۔ ان کی قوت گویائی سلب ہو جاتی ہے اور وہ قوت بصارت و سماع سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ ان کی وہی کیفیت رہتی ہے کہ وہ جس مقام پر کھڑے ہیں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور ان کی ترقی رک جاتی ہے، جمود کی کیفیت ہے جس سے وہ جمادات نباتات و حیوانات سے بلند ہونے کے بعد پھر جمادات کے مقام پر آ جاتے ہیں۔

مثال ۲ ر منافقوں کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان سے بارش ہو، جس میں اندھیرا ہے، رعد ہے، برق ہے، اس بارش میں چلنے والے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس دیتے ہیں۔ کڑک اور موت کے اندیشہ سے اور اللہ احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔ کافروں کو برق کی یہ حالت ہے کہ ابھی ان کی بصارت اچک لے جب چمکتی ہے تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں لے جائے۔ اللہ بے شک ہر شئے پر قادر ہیں۔

منافقین کی دوسری مثال ہے۔ ذرا طوفان باد و باراں کا تصور کیجئے رات اندھیری ہو۔ ہر طرف بادل چھائے ہوئے ہوں۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو بجلی کی کڑک سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی ہو اور بجلی کی چمک آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہو۔ ایسے خوفناک ماحول میں چلنے والے کی کیا کیفیت ہو گی وہ خوف و ہراس کا شکار رہے گا۔ معمولی سہاروں پر تکیہ کریگا، کان میں انگلیاں دیکر کڑک سے اور موت سے بچنے کی کوشش کریگا، چند گام طے کریگا اور وہ بھی سمت سے یا منزل سے ناآشنا۔ خوف، گھبراہٹ

بے سرو پا آسروں کا سہارا لینا چند گام کی مسافت طے کرنا ہی اس کا مقدر
ہے یہی حال منافق کا ہے وہ ماحول سے گھبرایا اور سہما رہتا ہے اور
دو کشتیوں کے سوار کی طرح اسے اطمینان نصیب نہیں ہوتا، وہ اپنے شیطانوں
کا سہارا لیتا ہے کہ وہ خوف سے نجات پائے اور موت سے بچ جائے مگر
تمام سہارے بالآخر بودے نکلتے ہیں، وہ چند قدم اکھڑے اکھڑے سے
اٹھا لیتا ہے اور جوں ہی وہ روشنی اس سے دور ہو جاتی ہے، یا ہٹالی
جاتی ہے وہ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں کھانے لگ جاتا ہے، اس کی پریشانی
زبوں حالی، درماندگی بے بسی کی یہ کیفیت دائمی ہے اور اسے اس سے نجات
نہیں ملتی۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایسے ماحول میں گھرا ہوا انسان حالات کی شدید بدبختی کا شکار ہے
۲۔ اندھیرے میں اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔
۳۔ رعد کی کڑک سے اور موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتا ہے۔
۴۔ بجلی کی چمک کی روشنی میں چند قدم چلتا ہے اور پھر جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو اس کے قدم رک جاتے ہیں۔
۵۔ اللہ چاہے تو ان کو بصارت اور سماعت سے مکمل طور پر محروم کر دے

مثال نمبر ۳

کفار — وہ لوگ ہیں جنہوں نے ذات باری تعالیٰ، صفات باری
تعالیٰ، ملائکہ، وحی اور انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ یہ انکار کبھی تو ان کی جہالت
کا نتیجہ تھا اور کبھی تکبر اور مال و منال کی برتری بھی انکار کا باعث بنی

کبھی ان کی ضد اور سرکشی جو بجائے خود جہالت اور تجبر اور مالی وسائل پر انحصار کی بدولت پیدا ہوتے اور کبھی انہوں نے ذاتی اور گروہی مفادات کے وقتی تحفظ کی خاطر یہ روش اختیار کی اور اس پر قائم رہے۔ کفار کی جہالت ضد۔ بغاوت۔ سرکشی کے باعث ان کے قلوب اور ضمیر مردہ ہو گئے۔

مثال سورت البقرہ۔ آیت ۱۷۱

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

آیت نمبر ۱۷۰ میں کفار کی ذہنی حالت کا بیان ہے کہ جب ان سے کہا جائے کہ اتباع کرو اس کی جو نازل کیا گیا ہے، اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس روش پر چل رہے ہیں جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو چلتے دیکھا ہے خواہ ان کے آباؤ اجداد عقل و ہدایت سے محروم ہی کیوں نہ ہوں۔

اب اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چلاتا ہے ایک چیز کو سنتی نہیں مگر پکارنا اور چلانا، یہ کفار بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ پس انہیں عقل نہیں۔

قرآن حکیم کی مثالوں سے یہ مثال ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے اور مفسرین نے اسے تشبیہ مرکب بھی گردانا ہے اور تشبیہ مفرد بھی۔ مرکب اس لحاظ سے کہ اس مثال میں کفار کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو ان سننوں کو آواز دیکر پکار رہا ہے جو شعور سے عاری ہیں۔ ہاں البتہ جانور کی طرح صرف آواز کی حد تک تو سن سکتی ہے مگر اس آواز کے اشارے، کنائے اور معانی و رموز سے بالکل ناآشنا ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شخص سعی لاحاصل کر رہا ہے۔ بودے سہاروں پر تکیہ کئے ہوئے ہے اور یہ سمجھ نہیں رکھتا کہ اس کا یہ چلانا ہرگز بار آور ثابت نہ ہوگا اور

انجام کار وہ ناکامی اور مایوسی سے ہمکنار ہوگا۔

اس تشبیہ سے دوسرے معانی جو بعض مفسرین نے لئے ہیں وہ یہ ہیں کہ کفار کی مثال بہایم کی سی ہے کہ ان کو کوئی شخص بلاتا ہے۔ ان کے کھیلنے کے واسطے مگر یہ اس کی پکار سن تو سکتے ہیں پر اس کے سمجھنے سے عاری ہیں۔

اگر سیاق و سباق سے دیکھا جائے تو یہ دوسری رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب کفار کو ایمان لانے کے لئے کہا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو اسی روش پر چلیں گے جس پر ان کے آباؤ اجداد تھے خواہ ان کے آباو اجداد عقل اور ہدایت سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے ہوں۔ یہاں بھی ان کو عقل اور شعور سے اور جانچنے۔ پرکھنے اور بھلے برے کی تمیز کرنے کی قوت سے محروم گردانا گیا ہے اور جس آیت میں یہ مثال ہے اس کے آخیر میں ہی کفار کو بہرے۔ گونگے اور اندھے کہا گیا ہے۔ لہذا اس تفسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے مثال کا خلاصہ یہ ہوا۔

خلاصہ مثال

۱۔ کفار حسن و قبیح اور برے بھلے کی تمیز سے عاری ہیں۔

۲۔ سمجھ اور شعور نہیں رکھتے صرف بہایم کی طرح ندا کو سن سکتے ہیں۔ مگر اس کے معانی اور مطالب سے ناآشنا ہیں۔

۳۔ ان کو ہدایت کی طرف بلانا یا نہ بلانا برابر ہے۔

۴۔ ذہنی اور فکری لحاظ سے وہ حیوانات کی سطح پر ہیں جہاں خورد و نوش تناسل، ادنی جسمانی ضروریات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور اخلاقی روحانی دینی اقدار کا ادراک یا شعور ان کے بس سے باہر ہے۔

مثال ۴ - اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مثالیں

سورۃ البقرہ - آیت : ۲۶۱ -

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سے اگیں سات بالیں اور ہر بالی میں ہوں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے اور اللہ کشائش والا صاحب علم ہے۔

اس کے بعد کی آیت سے معاملہ اور مخصوص اور واضح کر دیا، جب فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور اس مال کے خرچ کر دینے کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں۔ ان کو اجر ہے ان کے رب کی طرف سے (اجر کا ذکر پہلی آیت میں کیا ہے) اور ان کو نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہیں۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مختلف ذہنی کیفیتوں کے پیش نظر ان کی تقسیم دو گروہوں میں کی گئی ہے۔ آیات ۲۶۱ سے لے کر ۲۶۵ تک انفاق فی سبیل اللہ کا ایک عملی پروگرام دے دیا گیا ہے۔ جسے مختلف مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲۶۲) قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (۲۶۳)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (۲۶۴) وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ اَصَابَھَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۲۶۵)

یکے بعد دیگرے چار مثالوں سے انفاق کے معاملات سمجھائے گئے ہیں۔ مثالوں میں بیان کا زور اور حکمت کے پہلو دیدنی ہیں۔ میں یہاں ہر مثال سے علیحدہ علیحدہ بحث کروں گا۔ سب سے پہلی مثال اس ضمن میں وہ ابتدائی مثال ہے جس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بنیادی فوائد سے آگاہ کیا گیا ہے مال چونکہ ایک خاص گنتی اور شمار کی شے ہے اور اسے خرچ بھی شمار اور حساب سے کیا جاتا ہے اس کی کمائی، خرچ، اور بچت کے جملہ معاملات ایک خاص حساب و پیمانہ سے متعین ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے خرچ کے اجر کے طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے حساب کو ملحوظ رکھا تاکہ انسانی ذہن آسانی سے سمجھ سکے اور مائل ہو۔

خلاصہ مثال

ا۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ایک دانہ یا بیج کی مانند ہے۔

۲- ایک بیج سے سات خوشے نکلتے ہیں۔
۳- ہر خوشے میں سو دانے ہوتے ہیں۔
۴- اس سے زیادہ بڑھانے کی بھی اللہ تعالیٰ قدرت رکھتے ہیں۔

دوسری مثال ۵۔

سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۶۴۔

مفہوم "اے ایمان والو اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور جتلا کر مت ضائع کرو۔ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم آخرت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر مینہ برسے تو وہ پتھر سخت کا سخت ہی رہا۔ کچھ ہاتھ نہیں لگتی ان کو اپنی کمائی اور اللہ ہدایت نہیں کرتے کافروں کو۔"

اس آیت کریمہ میں خیرات اور صدقات کا ایک نفیس انداز بتایا گیا ہے۔ بعض کام خاص نفاست اور شائستگی کا تقاضا کرتے ہیں اور اب بھی ہوتا ہے کہ کام تو سرانجام پا جاتا ہے، مگر مطلوبہ نفاست اور شائستگی کے معیار کو نظر انداز کرنے سے اس کام کے خوشگوار اثرات مرتب ہی ہو پاتے۔ لہٰذا یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے آداب سکھائے گئے ہیں اور ایک منفی مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص ریاکاری کی غرض سے مال خرچ کرتا ہے گویا وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک صاف پتھر جس پر ہلکی سے تہہ مٹی کی جمی ہو اور اس پر مینہ برس جائے تو وہ مٹی کی تہہ دھل کر پتھر کو صاف کر دے اور پتھر جوں کا توں رہ جائے۔ سخت اور قوت نمو سے عاری۔ اس طرح

یہ لوگ اپنی کمائی سے بھی استفادہ نہیں کر سکتے ۔

خلاصہ مثال

۱۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتلانا اور اس طرح ایذا پہنچانا اپنے مال کو ضائع کرنے کے مترادف ہے ۔
۲۔ جو شخص ریا کاری کی غرض سے مال خرچ کرتا ہے اس کا ایمان اللہ پر اور آخرت پر نہ ہے ۔
۳۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پتھر جس پر مٹی کی ہلکی سی تہہ ہو ۔
۴۔ بارش پڑنے سے یہ تہہ بھی اتر جائے اور سخت پتھر نکل آئے ۔
۵۔ اس کی اپنی کمائی جو اس طرح ریا کاری کی غرض سے خرچ کی گئی بے نتیجہ ہو کر ضائع ہو گئی ۔
۶۔ چونکہ انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ایک دانہ اور خوشہ سے دی گئی تھی لہٰذا یہاں بھی وہ انداز اپنایا گیا ہے کہ نمو کے لئے زمین کی مٹی اور زرخیزی اور پانی کا ہونا ضروری ہے ۔ اگر ریا کاری کی سنگلاخ زمین پر صدقات و خیرات کی مٹی کی ہلکی سی تہہ جم بھی جائے تو وہ بارانِ رحمت کے پڑتے ہی دُھل کر صاف ہو جائے گی اور کسی قسم کی نمو اور پیداوار کا باعث نہ بن سکے گی بلکہ سنگلاخ زمین کی سختی اور اجاگر ہو جائے گی ۔

مثال ۱۰

۴ سورۃ البقرہ ، آیت ۲۶۵

مفہوم اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے اموال اللہ کی خوشنودی کی خاطر اور اپنا دل ثابت کرکے ایسے ہے جیسے ایک باغ بلندی پر، اس پر برسا مینہ تو وہ لایا اپنا پھل دوگنا، پھر اگر اس پر مینہ نہ پڑا اور اوس پڑ رہی اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

اس سے اگلی آیت مفہوم کو مزید اجاگر کرنے میں مدد دیتی ہے، جب اللہ فرماتے ہیں۔ بھلا اچھا لگتا ہے تم میں سے کسی کو کہ ہو اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا نیچے بہتی ہوں ندیاں اسے وہاں حاصل ہو ہر طرح کا میوہ اس پر آئے بڑھاپا اور اس کی اولاد ہو ضعیف۔ پھر اس باغ پر پڑے ایک بگولہ جس میں آگ ہو تو وہ جل کر راکھ ہو جائے۔ یوں سمجھاتا ہے اللہ تم کو آیتیں شاید کہ تم دھیان دو۔

یہ تیسری مثال ان لوگوں کی دی گئی جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر دلجمعی سے مال خرچ کرتے ہیں وہ ایک باغ کی مانند ہیں بلندی پر جس میں موسلا دھار بارش ہو یا ہلکی پھنوار پڑے خوشگواری موسم اور آب و ہوا پھل میں اضافے کا باعث بنے۔

خلاصہ مثال

۱۔ جو لوگ رضائے الٰہی کی خاطر جمع کرکے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں۔ جیسے

۲۔ ایک باغ بلندی پر۔

۳۔ جس پر موسلا دھار بارش ہو۔
۴۔ وہ پھل لاتا ہے دوگنا۔
۵۔ اگر بارش موسلا دھار نہ بھی ہو اور صرف ہلکی پھوار ہی پڑ جائے
تو بھی اس کی پیداوار کی استعداد میں اضافہ ہو جائے۔

مثال۔ ۷۔

تیسری مثال ایک خوشگوار باغ کی ہے۔ پھر چوتھی مثال سے فرق واضح کیا گیا ہے۔ ان افراد کے اعمال اور نتائج ہیں جو رضائے الہٰی کی خاطر نہیں ظاہری نمود و نمائش کی خاطر خرچ کرتے ہیں کہ برادری میں ناک اونچی رہے معاشرہ میں ان کو سخی اور ان داتا سمجھا جائے اور سوسائٹی ان کے رفاہی کاموں میں دلچسپی کی وجہ سے انہیں معزز گردانے۔ مثال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک باغ ہے کھجور اور انگور کا اور اس میں پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں دیگر میوہ جات بھی ہیں۔ پھر ایک بگولہ پڑتا ہے جو اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے اور یہ بگولہ اس وقت پڑتا ہے جب اس باغ کا مالک عمر کے آخری حصہ میں پہنچ چکا ہے اور اس کی اولاد بھی ابھی کمزور ہے۔

باغ بھرپور پھلوں سے لدے ہوئے درخت۔ چشمے اور خوبصورت سماں ہے کتنا ہی عمدہ باغ ہے۔ اس کی تباہی ایک بگولے سے بجائے خود بہت بڑا نقصان ہے جس طرح صدقات۔ خیرات تو کی جائے اور ایک باغ لگا دیا جائے جس میں صدقات اور خیرات کے درخت کھلوں سے لد جائیں۔ فرحت و شادمانی اور معاشرہ میں عزت و تکریم کے چشمے بھی بہہ رہے ہوں۔ اس میں سے ریاکاری کی آگ کا بگولہ نکلے اور اس سارے باغ کو تباہ کر دے اور یہ اس وقت ہو جب باغ لگانے والا بڑھاپے اور

ضعف کا شکار ہو یعنی جب اسے آرام کی اور آسودگی کی شدید ضرورت ہو وہ ان آسائشوں سے محروم کر دیا جائے پھر بھی نہیں اس کی بے بسی کا یہ عالم ہو کہ اس کی اولاد بھی کمزور و ناتواں ہو۔ جس سے مستقبل میں بھی حالات کی درستی کا امکان نہ ہو، اور اس باغ کے ثمرات سے اس کی آئندہ نسل بھی عالم ناتوانی میں ہی محروم کر دی جائے۔

خلاصہ مثال

۱۔ باغ ہے پھلوں سے لدا پھندا، چشمے بہتے ہوئے۔
۲۔ آگ کا بگولہ اسے تباہ کر دیتا ہے۔
۳۔ ایسے عالم میں کہ مالک باغ ضعیف ہے اور اس کی اولاد ناتواں
۴۔ گذشتہ عمل ضائع ہوئے اور مستقبل میں ان اعمال کے از سر نو کرنے کی مہلت نہ ہے۔
۵۔ اس شخص کی بدبختی اور کس مپرسی کا عالم یہ ہے۔

ع رحم کے قابل سہی میری شکستہ پائیاں
کون بدلے گا اصول کارداں میرے لئے

مثال ۸۔ سود خوروں کی مثال

سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۷۵)

مفہوم۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس کی طرح جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تجارت بھی تو سود کی مانند ہے اور اللہ نے تجارت حلال کی ہے اور سود حرام۔ لہٰذا اب جس کو بھی پروردگار کی طرف سے یہ بات پہنچ گئی اور وہ آئندہ سود لینے سے باز آگیا تو جو کچھ پہلے لے چکا سو وہ اس کا ہو گیا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے نافرمانی کی اور وہ آگ میں ہمیشہ رہے گا۔"

اس آیت میں سود خور کی مثال دی ایسے شخص سے جسے شیطان نے چھو لیا ہو۔ یتخبطه الشیطٰنُ مِنَ المَسّ)

عربی زبان میں تخبط۔ خبط لیل سے ہے جس کے معنی ہیں رات کی تاریکی میں بھٹکنا۔ اس کا مفہوم ہے وہ شخص جسے شیطان نے مس کر کے دیوانہ یا پاگل بنا دیا ہو۔ اسے مرگی کے مرض سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں اس کا مفہوم ہے جنونی۔ پاگل۔ جو ہوس زر کا شکار ہو کر تمام اعلیٰ انسانی قدروں کو پامال کرتا چلا جاتا ہے اور سکون سے ناآشنا، ان مادی اغراض کا بندہ بے دام بنا ہوا ہے۔ تمام اصولوں۔ ضابطوں کو کچلتا ہوا۔ محض مال جمع کرنے کی خاطر دیگر انسانوں کی احتیاج کو EXPLOIT کرتا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ سود خور ایک جنونی انسان ہے۔

۲۔ وہ عالم جنون میں تجارت اور سود میں تمیز کرنے سے عاری ہو جاتا ہے

۳۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ سود بھی تجارت ہی ہے اور تجارت کو اللہ نے حلال کیا مگر سود کو کیوں حرام کر دیا۔

مثال۔ ۹ ولادت عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیل

سورۃ آل عمران، آیت۔ ۵۹

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (۵۹)

مفہوم "اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثل آدم کی سی ہے۔ جسے اللہ نے مٹی سے تخلیق کیا۔ پھر کہا کہ ہو جاؤ اور وہ ہو گیا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت بن باپ کے ہوئی۔ مریم علیہ صلوٰۃ والسلام ایک پاکدامن، باصفا، عبادت گزار خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نشانیوں سے چاہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کرے۔ جو بعد ازاں نمونہ روزگار بنے اور فطرت کی عام تخلیقی روش سے ہٹ کر ان کی ولادت ہوئی اس پر بعض لوگوں نے اعتراضات کئے تو ان اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں دے دیا

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے فرمایا کہ یہ تو بن باپ کے پیدا ہوا ہے۔ میں تو اس سے قبل ایک ہستی کو بن ماں اور باپ کے پیدا کر چکا ہوں۔

خلاصہ مثال

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام تخلیقی لحاظ سے آدم علیہ السلام کی مثل ہیں جو بغیر والدین کے پیدا ہوئے۔

۲۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا۔

۳۔ قدرت کاملہ کا وہ پہلو سامنے آتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں۔ لفظ "کن" سے تخلیق ہو جاتا ہے اور علم سے وجود میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

مثال ۱۰۔ کفار کے انفاق کی مثال

سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۱۷۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۱۶) مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (۱۱۷)

مفہوم: "دنیا کی اس زندگی میں یہ (کفار) لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس ہوا کا چلنا جس میں پالا ہو۔ اور یہ ہوا ان لوگوں کی کھیتی پر آن پڑے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہو۔ اور اسے برباد کر دے۔ اور یاد رکھو، اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں"

آیت ۱۱۶ میں اللہ تعالیٰ کفار کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا تو ان کو نہ ان کا مال و دولت اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ ان کی اولاد۔ وہ لوگ جہنمی ہیں۔ اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اس کے بعد آیت ۱۱۷ میں کفار کے اموال کو خرچ کرنے کا ذکر رہے۔ ایک مثال کے انداز میں فرمایا۔

اس دنیا میں مال و دولت خرچ کر کے انسان اپنی دنیوی زندگی اور اخروی زندگی میں سکون و اطمینان خرید سکتا ہے۔ مگر کفار جو مال خرچ کرتے ہیں ان کا مطمع نظر صرف دنیوی زندگی کا سکون اور آسائشیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کے خرچ کرنے کی مثال ایک کھیتی سی ہے۔ مگر ان کے خرچ پر ظلم کا زہر پھیلا ہوتا ہے اور یہ ایسے ہے جیسے زندگی بخش ہوا تو چلے مگر اس میں پالا ہو جو ان کی کھیتی کو نیست و نابود کر دے۔

اس سے پہلے کفار کے انفاق کی مثال آگ کے بگولے کے ذریعہ ان کے باغ کی تباہی سے دی۔ یہاں ان کی کھیتی کی تباہی کا باعث سرد ہوا بتلائی۔ کھیتی چونکہ باغ کی نسبت زیادہ نرم و نازک ہوتی ہے اور اس پر سرد ہوا بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہوا میں خشکی اگرچہ حیات بخش ہے مگر اس خشکی میں اضافہ تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ ان افراد کے ظلم کے نتیجہ میں ہوتا ہے جو اس روش زندگی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جسے وہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ظلم یہ ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے اللہ کی راہ سے روکنے پر اور اس کے بتلائے ہوئے راستے سے انحراف کرنے پر صرف کیا۔

خلاصہ مثال

۱۔ اموال کے خرچ سے ایک کھیتی اگائی جاتی ہے۔
۲۔ مگر اموال کے غلط مقصد کے حصول کے لئے خرچ کرنے پر باد صرصر کے ذریعے یہی کھیتی برباد ہو جاتی ہے۔
۳۔ باد صرصر اہل کفر کی ظلم و فساد کی روش ہے۔
۴۔ یہی ظلم و فساد ان کی کھیتی کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کو روا نہیں رکھتے۔

مثال ۱۱۔ خواہشات نفسانی پر چلنے والے کی مثال

سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۷۵۔ ۱۷۶

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (۱۷۵) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ

تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۷۶) سَآءَ مَثَلَا نِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (۱۷۷)

مفہوم اور سنایا ان کو احوال اس شخص کا جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں۔ پھر ان کو چھوڑ کر نکل گیا۔ پھر پیچھے لگا اس کے شیطان تو وہ ہوا گمراہوں میں۔ (۱۷۵) اور ہم چاہتے تو اس کو اٹھا لیتے ان نشانیوں سے مگر وہ گر پڑا زمین پر اور چلا اپنی خواہشات پر تو اس کی مثال جیسے کتا۔ اس پر لادے تو ہانپے چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں۔ تو بیان کر دیئے احوال شاید وہ دھیان کریں۔ (۱۷۶)

ان آیات میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت اور فہم و فراست سے نوازا تھا۔ مگر وہ غلط راستے پر چل نکلا اور اللہ تعالیٰ کی ان آیات و نشانیوں کو چھوڑ کر نکل گیا۔ یسلخ عربی میں کہتے ہیں جانور کا اپنی کھال سے نکل جانا، یا سانپ کا کینچلی بدلنا۔ یعنی وہ شخص اللہ کی آیات کی پناہ سے نکلا تو شیطان نے اسے دبوچ لیا۔ اور وہ گمراہ ہوا۔ مطلب یہ کہ شیطان کا شکار بنا جب اپنی کھوہ سے یا پناہ گاہ سے نکلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی آیات و نشانیوں کے ذریعے بلند کر دیتے مگر وہ تو خود پستی کی طرف گر گیا۔ یعنی روحانی مدارج سے ہٹ کر مادی برتری کی طرف راجع ہوا اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے چل پڑا۔ خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنے کی مثال ملاحظہ کیجئے اس کی کیفیت ایک کتے کی سی ہو گئی جس پر اگر بوجھ لادا جائے یا اسے مشکل و مشقت کا سامنا ہو تو بھی زبان نکالے اور آسودگی ہو تو بھی زبان نکالے۔ کتا زبان نکالتا ہے سانس لینے

کے لئے، یہ کتے کی جبلت ہے، یا جسمانی ضرورت ہے، جس وقت کتا شدید جسمانی مشقت کا شکار رہو تو زبان باہر نکالتا ہے، مگر عام حالت میں بھی اس کی یہ کیفیت دیکھنے میں آتی ہے یعنی خواہشات کے پیچھے دوڑنے والے شخص کی یہی کیفیت ہے کہ وہ سکون سے ناآشنا ہے، خواہشات کی تکمیل ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی اس کی یہی حالت رہتی ہے۔ اس کی پریشانی اور مشکل رفع نہیں ہوسکتی۔ یہ حالت اس شخص کی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی بات کی تکذیب کرتا ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ جب ایک شخص اللہ کی آیات کی پناہ سے نکلتا ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ کر اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے ذریعہ اسے بلند کرنا چاہتے ہیں ترقی کی منازل کی طرف گامزن کرتے ہیں مگر خواہشات نفسانی اس کو قعر ذلت کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔

۳۔ خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنے کی بنا پر اس شخص کی کیفیت ایک کتے کی سی ہو جاتی ہے جو سکون سے ناآشنا اور پریشانی سے دوچار رہتا ہے۔

۴۔ اس کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

مثال ۱۲۔ حیات دنیوی کی اور فطرت انسانی کی ایک جامع مثال

سورۃ یونس، آیات۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰىٓ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ
وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ
وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (۲۲) فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى
اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ (۲۳) اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰىٓ اِذَآ
اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ
عَلَيْهَآ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ
بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۴) وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۵)

مفہوم اللہ ہی ہے جو تمہیں خشکی اور پانی میں پھراتا ہے، یہاں تک کہ تم سوار ہوئے کشتی میں اور لے چلیں لوگوں کو اچھی ہوائیں اور سوار خوش ہوئے۔ آئی ان پر جھونکے کی ہوا اور لہریں ہر طرف سے لیکن انہیں گمان ہوا کہ وہ گھر گئے طوفان میں اور پکارنے لگے خالص اللہ کو، اور کہنے لگے کہ اگر اس طوفان سے نجات پائیں تو شکر گذار بن جائیں۔ (۲۲) پھر جب وہ بلا ٹال دی اللہ نے اسی وقت شرارت کرنے لگے زمین میں ناحق کی۔ اے لوگو! تمہاری شرارت ہے تم پر، برت لو دنیا کے جیتے، پھر ہمارے پاس ہی تم کو آنا ہے پھر ہم تمہیں جتا دیں گے جو کچھ تم کرتے تھے (۲۳)

حیات دنیوی کی مثال ایسی ہے جیسے پانی آسمان سے برسے اور اس سے

زمین کا سبزہ نکل آئے، جسے انسان اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ سبزہ سنہرا روپ دھار گیا اور زمین جوبن پر آئی اور گمان کرنے لگے زمین والے کہ وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں، اس سمے اللہ کا حکم دن یا رات کے کسی حصہ میں آن پہنچا پھر اس کھیتی کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، گویا یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس طرح ہم اپنی آیتیں کھولتے ہیں ان پر جو دھیان کرتے ہیں۔ (۲۴)

اور اللہ تو بلاتے ہیں دار السلام کی طرف اور ہدایت کرتے ہیں صراط مستقیم کی جسے چاہتے ہیں (۲۵)

اس میں دو مثالیں ہیں۔ ایک مثال آیت نمبر ۲۱-۲۳ میں جس کے ذریعے انسانی فطرت اور نفسیات کے بہت باریک پہلو بیان کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کہ جب انسان طوفان میں گھر جاتا ہے تو خالصتاً اللہ کو پکارنا شروع کر دیتا ہے اور اس سے بندہ شکر گزار رہنے کے عہد و پیماں باندھ لیتا ہے اور مصیبت سے نجات پانے کے لئے گڑگڑاتا ہے۔ لیکن جونہی وہ اس مصیبت سے نجات پاتا ہے اسی قدم سے زمین پر شرارت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ انسان مصیبت میں گھر کر گڑگڑاتا ہے اور مصیبت سے نجات پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ اپنی بندگی کا واسطہ دیتا ہے۔ مگر جونہی مصیبت رفع ہو جائے وہ پھر سے سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اسے آگاہ کرتے ہیں کہ یاد رکھو یہ شرارت تمہاری ذات پر اثرات مرتب کرے گی۔ اور یہ کہ شرارت کا میدان تو یہ دنیا ہی ہے جس کی حقیقت ہی کیا ہے اگر میدان شرارت کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر اس میں ہونے والی شرارت کی کیا حیثیت ہے۔ پھر آیت ۲۴ میں اس میدان شرارت کی مثال دے دی قرآن کا اعجاز ہے کہ بات واضح سے واضح تر کرتا چلا جاتا ہے، بات چلی

کشتی انسانوں کے کشتی پر سوار ہونے سے اور دیکھئے کہاں پہنچ گئی اور اس
گفتگو میں کیا کیا حقائق بیان ہوتے چلے جا رہے ہیں

دوسری مثال

یہ مثال دی دنیاوی زندگی کی جیسے پانی سے تشبیہہ دی پانی ہی زندگی کی
کی بنیاد ہے ۔ اور یہاں دنیاوی زندگی کی مثال پانی سے دی جارہی ہے ۔ یہ
پانی آسمانوں سے برستا ہے ۔ زمین سرسبز ہوجاتی ہے ۔ ایسی سبزی اور نباتات
کو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا ذریعہ بنایا ہے ۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ
ساتھ سرسبز و شاداب زمین سنہرا روپ دھار لیتی ہے ۔ پھر زمین خوب
جوبن پر آجاتی ہے ۔ جب فصل پک جائے تو زمین کا جوبن اور سنگار دیدنی ہوتا
ہے ۔ اس عالم میں اس زمین کا کھیتی اور باغات کا مالک گمان کرتا ہے کہ وہ اس
سب پر قدرت کاملہ رکھتا ہے اور پھر اللہ کا حکم پہنچ جاتا ہے رات یا دن
کے کسی حصہ میں اور اس کھیتی یا باغ کو کاٹ کر ڈھیر کر دیتا ہے جیسے یہاں
کل کچھ ہی نہ تھا ۔

یہی مثال یوں بھی بیان ہوتی ہے کہ انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے
اس دنیا میں نمو کی مثال سبزہ سے پھر سبزہ روپ ہے جوانی کا اور سنگار بھرپور
جوانی اور اسے گمان ہوتا کہ وہ صاحب قدرت ہے ۔ پھر بڑھاپا سنہرا روپ
لئے ہوئے وارد ہوتا ہے ۔ پھر اسے رات یا دن کے کسی حصہ میں موت کا پیغام
آجاتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے یہاں کل کوئی تھا ہی نہیں ۔

یہ دنیا چونکہ ایک عارضی ٹھکانہ ہے ۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے
مثال دی کہ اللہ تو انہیں دارسلام کی طرف بلاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں
اس دارسلام کی طرف آنے والے راستے کی ھدایت کرتے ہیں

خلاصہ مثال اول

۱۔ بحری سفر میں خوشگوار ہوائیں فرحت لاتی ہیں۔
۲۔ تیز و تند ہوائیں طوفان کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔
۳۔ طوفانی ہوائیں دیکھ کر بحری سفر کرنے والے خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس مصیبت سے نجات پائیں تو شکرگذار بندے بن جائیں۔
۴۔ مگر جونہی نجات پاتے ہیں پھر سے شرارت کرنے لگتے ہیں۔
۵۔ مگر ان کی شرارت اس عارضی دنیا میں ہی ہوتی ہے۔
۶۔ ان کی شرارت کے منفی اثرات ان کی ذات پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔

خلاصہ مثال دوم

۱۔ دنیاوی زندگی کی مثال پانی کی مثال ہے۔
۲۔ پانی آسمان سے برستا ہے۔
۳۔ پانی سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔
۴۔ گھاس اور نباتات اور سبزہ انسانوں و جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔
۵۔ پھر زمین سنہرا روپ اختیار کرتی ہے یعنی فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔
۶۔ زمین اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔
۷۔ زمین والے یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ قدرت کاملہ رکھتے ہیں۔
۸۔ پھر اللہ کا حکم دن یا رات کے کسی حصہ میں پہنچ جاتا ہے اور اس حکم کی رو سے وہ فصل کٹ کر ڈھیر ہو جاتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ کل وہاں کچھ بھی نہ تھا۔۔

۹۔ اللہ تو متاع حیات سے دار السلام کی طرف بلاتے ہیں۔
۱۰۔ وہ ہدایت کرتے ہیں دار السلام کے راستے کی اس شخص کو جسے چاہتے ہیں۔

مثال ۱۳۔ کفار کے اعمال کی مثال

سورۃ ابراہیم، آیت ۱۸

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

مفہوم احوال ان کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے اعمال جیسے راکھ جس پر آندھی والے دن زور کی ہوا چلی ان کے ہاتھ نہ آئی کچھ بھی کمائی یہی ہے دور بہک جانا۔

اس مثال میں کفار کے اعمال کو راکھ کے ڈھیر سے تعبیر کیا ہے۔ راکھ کا ڈھیر کہ اگرچہ بے وقعت ہے مگر وہ راکھ بھی تند و تیز ہوا سے بکھر جائے اور اس پر آندھی چل پڑے۔ یہ ان کی صریح گمراہی کی دلیل ہے۔ یعنی وہ خود بھی بے وقعت تھے۔ پھر ان کے کفر اور اعمال بد کی آندھی اور تیز ہوا نے ان کی راکھ بھی بکھیر دی۔

خلاصہ مثال

۱۔ کفار جو اپنے رب کے منکر ہیں کے اعمال راکھ کے ڈھیر کی مانند ہیں۔
۲۔ پھر اس راکھ پر آندھی اور طوفانی دن (یعنی قیامت) دن تند و تیز ہوائیں چل پڑتی ہیں۔
۳۔ ان حالات میں یہ راکھ بھی ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے اور ہوائیں اسے اڑا

کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں۔

۴۔ جن لوگوں نے اس راکھ کے ڈھیر پر بھروسہ کیا وہ بھی کتنی بڑی گمراہی کا شکار ہوئے۔

مثال ۴۱۔ کلمہ طیبہ کی مثال

سورۃ ابراھیم آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

مفہوم تو نے نہ دیکھا بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بات ستھری جیسے ایک درخت ستھرا اس کی جڑ مضبوط اور ٹہنیاں آسمان کی طرح۔ بلند۔ لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو شاید وہ سوچ کریں۔ (۲۵) مثال کلمہ خبیثہ کی جیسے ایک خبیث درخت اکھاڑ لیا اوپر سے زمین کے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ (۲۶)

مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور بچلادیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہے (۲۷)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثالیں دی ہیں۔ کلمہ طیبہ کے بارے میں بعض مفسرین نے کہا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور قلب مومن شجر طیبہ ہے۔ میں اس مثال کو کسی مخصوص کلمہ کی بجائے عمومی معنوں میں لیتا ہوں۔ ہر اچھی بات کی مثال اللہ تعالیٰ دیتے ہیں ایک تناور درخت

سے جس کی جڑیں گہری اور شاخیں بلند ہوں اور یہ درخت موسم کے مطابق نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ ہر موسم میں ہی نہیں بلکہ ہر وقت پھل سے لدا پھندا رہتا ہے۔ اچھی بات مضبوط تناور، بلند و بالا، پھلدار درخت کی مانند ہے جس سے کہنے اور سننے والا اور ماحول اور جہاں جہاں تک یہ بات پہنچتی ہے۔ استفادہ کیا جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں بری بات ایک خبیث درخت کی مانند ہے جو زمین کے اوپر ہی اگتا ہے اور اسے قرار نہیں ہے۔ پھل لانا تو دور کی بات ہے۔ بری بات کو اثبات نہیں۔ اضطراب اور بے چینی ہے۔ ٹھہراؤ نہیں جبکہ اچھی بات لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی ہے اور مضبوطی سے جم جاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۷ میں اللہ نے اس کا فائدہ یہ بتلایا کہ اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے استقامت عطا کرتا ہے۔ اس دنیوی زندگی میں اور آوارہ بے راہ کرتا ہے بے انصافوں کو۔

اچھی بات کی مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قول حق و انصاف پر مبنی ہوگا جو عوام الناس کی فلاح اور بہبود کو استحکام بخشے گا۔ اسے عوام الناس اپنائیں گے اور اس طرح وہ مضبوط اور تناور درخت کی مانند ہوگا۔ پھر عوام الناس کے اتحاد تعاون، محبت یگانگت سے اس کی شاخیں بہت بلند ہونگی اور اس پر پھل لگا رہے گا۔ پھر ان کے باہمی تعلق خاطر کا مستقل انعام ربانی ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں بری بات، ناپسندیدہ بات، ناقص بات خبیث بات ایک خبیث پودے کی طرح سے ہوگی جو زمین کے اوپر ہی اوپر اگے گا۔ اس کی جڑیں ناپید ہونگی اور اسے بالکل قرار حاصل نہ ہوگا۔ ہوا کے ایک جھونکے سے اس کا ٹوٹ کر گر جانا یقینی ہوگا۔ یہ ایسا قول یا بات ہوگی جو مبنی بر انصاف نہ ہو۔ جو عوام کی فلاح و بہبود کی نہ ہو۔ جو باعث آزار ہو۔

خلاصہ مثال

۱۔ کلمہ طیّبہ کی مثال شجر طیبہ کی سی ہے۔
۲۔ جس درخت کی جڑیں مضبوط اور ٹہنیاں آسمان کی طرح بلند
۳۔ جو ہر آن پھل سے لدا پھندا رہے گا۔
۴۔ کلمہ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خبیث درخت
۵۔ جو زمین کے اوپر ہی اگا ہے اور جس کی جڑیں ناپید ھیں۔
۶۔ جس درخت کو بالکل قرار نہیں ہے۔

مثال ۱۵۔ بندہ بے دام کی مثالیں

سورۃ النحل ۔ آیت ۷۵ ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷۵)

مفہوم اس آیت میں دو مختصر مگر بڑی جامع مثالیں بیان کی ہیں :۔

"اور اللہ تعالیٰ مثال دیتے ہیں ایک بندہ بے دام کی ، جو کسی شئے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ دوسرا شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے رزق حسنہ عطا کیا اور وہ اس رزق میں سے چھپ کر اور کھلے بندوں خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں لیکن ان میں سے بہت سارے علم نہیں رکھتے۔"

یہ پہلی مثال ہے اس مثال میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک یہ کہ بندۂ بے دام بتوں کو کہا گیا ہے اور دوسری ہستی خود خداوند تعالیٰ کی ہے ، دوسری رائے

یہ ہے کہ ان آیات میں مومن اور کافر کا فرق بیان ہوا ہے۔ مجھے دوسری رائے زیادہ قرین قیاس لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک شخص جو بندہ بے دام ہے مملوک ہے اور دوسروں کی ملکیت بن چکا ہے، جس نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ غیر اللہ کے آگے اور چونکہ جن کے پاس اس نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا جن کا وہ بندہ ہے، وہ کوئی قدرت نہیں رکھتے تو یہ شخص بھی جس نے اپنا رشتہ غیر اللہ سے جوڑ رکھا ہے۔ کوئی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا، کیونکہ طالب و مطلوب دونوں ضعیف اور ناپائیدار ہیں۔

اس کے مقابلہ میں ایک وہ شخص ہے جس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہے وہ ایمان والیقان کا حامل ہے اور اللہ ہی اسے اپنے پاس سے انعام خاص کے طور پر رزق عطا کرتے ہیں۔ پھر اس بندہ کے ایمان کا یہ عالم ہے کہ وہ رزق خرچ کرتا ہے چھپ کر اور کھلے بندوں ایمان والیقان کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی ہے۔ اور یہ شخص اور پہلے والا شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں، پھر سب تعریف ہی اللہ کے لئے ہے اور اس کا بندہ بھی اسی نسبت سے محترم ہے۔ لیکن اہل شرک و کفر اس واضح فرق کو نہیں سمجھتے اور نہ اللہ کی صفات کا اور اس کے بندہ کے درجات کا علم رکھتے ہیں۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایک بندہ بے دام ہے جس نے اپنے آپ کو غیر اللہ کے ہاتھ فروخت کر رکھا ہے۔

۲۔ چونکہ اس کے مالک کوئی قدرت نہیں رکھتے، لہٰذا وہ بھی کسی شئے پر

قادر نہ ہے۔

۳۔ دوسرا شخص وہ ہے جسے اللہ نے اپنے پاس سے رزق عطا کر رکھا ہے جو اس کے ایمان اور عمل صالح کا انعام ہے۔

۴۔ پھر وہ اس انعام ربانی میں سے چھپ کر اور کھلے بندوں خرچ بھی کرتا ہے جو اس کے عمل صالح کی دلیل ہے۔

۵۔ یہ دونوں بندے اپنے تعلق اور نسبت کے لحاظ سے۔ طاقت اور قدرت و استطاعت کے لحاظ سے۔ انعام ربانی کے لحاظ سے ایمان و ایقان کے لحاظ سے اور اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔

۶۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا بھی اپنے تعلق اور نسبت کے لحاظ سے محترم ہے۔

۷۔ یہ واضح فرق بھی اہل شرک محسوس نہیں کر سکتے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا علم اور ادراک نہیں رکھتے۔

اسی آیت کریمہ میں دوسری مثال دی ہے۔

مفہوم۔ اور اللہ مثال دیتے ہیں دو بندوں کی، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، وہ جس طرف بھی منہ کرتا ہے (بھیجا جاتا ہے) اچھی خبر نہیں لاتا۔ کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہے جو حکم کرتا ہے عدل کے ساتھ اور خود بھی سیدھی راہ پر ہے۔

گزشتہ مثال میں اور اس میں ایک فرق معلوم ہوتا ہے۔ پہلی مثال میں دو بندوں کے درمیان فرق بتلایا گیا۔ جن میں سے ایک بندہ صنم ہے اور دوسرا بندہ خدا ہے۔ اس مثال میں ایسے دو اشخاص کے مابین تمیز کی گئی ہے

۔ وایک ہی مالک کے بندے ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں ۔ مگر ان کے دعویٰ کی صداقت اور اخلاص ۔ ان کی استعداد اور سمجھ بوجھ کا فرق ان کے مابین بہت ممتاز ہے ۔

ایک شخص وہ ہے جو گونگا ہے اور اس لحاظ سے جسمانی طور پر معذور ہے لیکن اس کے علاوہ بھی وہ کسی شئے پر قدرت نہیں رکھتا ۔ کسی استطاعت اور استعداد کار کا حامل نہ ہے اور اپنی جسمانی ، ذہنی ، کمزوری اور ناپختگی کی بنا پر وہ لپنے مالک پر بوجھ ہے اور جس طرف جاتا ہے اچھی خبر نہیں لاتا ۔ یعنی جس کام پر بھی مامور کیا جائے اسے بطریق احسن نمٹانے کی بجائے اس میں خرابی کر کے لے آئے ۔ یہ شخص ہے جس کے عقائد کمزور ہیں اور اعمال میں کجی ہے ۔ عقائد اور اعمال کی کمزوری کے باعث وہ استعداد کار سے اور استطاعت سے محروم ہے کیونکہ اس کی توجہ ایک مرکز پر نہ ہے ۔ اسے CONCENTRATION نصیب نہ ہے وہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے لپنے مالک پر بوجھ ہے اور جس طرف جاتا ہے خرابی کا باعث بنتا ہے ۔ یہ مثال ہے آج کے جمہور مسلمین کی ۔ آج ہم ان سب برائیوں کا شکار ہو چکے ہیں ۔ ہمارے عقائد کمزور ہیں ۔ ایمان کمزور ہے ۔ عمل سے عاری ہیں ۔ اس وجہ سے کسی شئے پر قدرت نہیں رکھتے ۔ اور ہم میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ مالک پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور جس طرف بھی جاتے ہیں خرابی ، شر ، فساد کا باعث بنتے ہیں ۔

اس کے برعکس ایک شخص وہ ہے جو عدل اور انصاف سے حکم کرتا ہے ۔ یعنی اس میں حاکم اور فیصل بننے کی اہلیت بھی ہے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ حکم اور فیصلہ عدل اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کرتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے راستے پر گامزن ہے ۔

خلاصہ مثال

۱۔ دو اشخاص ہیں جنمیں سے ایک گونگا ہے اور کسی شے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

۲۔ وہ اپنے مالک پر ایک بوجھ ہے۔

۳۔ اسے جو کام بھی سونپا جاتا ہے وہ اس میں خرابی کا باعث بنتا ہے۔

۴۔ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص وہ ہے جو حاکم اور فیصل ہے۔

۵۔ اور وہ حکم اور فیصلہ عدل و انصاف کی رو سے کرتا ہے۔

۶۔ اور وہ شخص خود ہی سیدھے راستے پر رواں دواں ہے۔

۷۔ یہ دونوں اشخاص برابر نہیں ہو سکتے۔

مثال ۱۶۔ اہل قریہ کے عمل کی مثال

سورۃ النحل۔ آیت۔ ۱۱۱۔۱۱۲۔۱۱۳

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۱۱۱) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۱۱۲) وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۱۳)

مفہوم جس دن آئے گا ہر جی جھگڑتا ہوا اپنے جی سے اور ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۱۱۱)

اور اللہ مثال دیتے ہیں ایک بستی کی جو چین اور امن سے تھی۔ آتی تھی

اس کو روزی فراغت سے ہر طرف سے، پھر ناشکری کی اللہ کے احسانات کی، پھر چکھایا اللہ نے اسے مزہ بھوک اور خوف کے لباس کا، بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔ (۱۱۲) اور ان کو پہنچ چکا ایک رسول انہی میں سے۔ پھر اس کو جھٹلایا۔ پھر پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے۔ (۱۱۳)

اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بُرے اعمال کے بُرے نتائج کو واضح کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یوم جزا کے روز ایک جی خود سے ہی جھگڑتا ہوا چلا آئے گا۔ جب اسے اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ سامنے آئے گا۔ تو وہ خود احساس ندامت اور تاسف سے اپنی ذات سے ہی جھگڑنے لگیں گے کہ کیوں نہ انہوں نے نیک کام کر لئے اور برائیوں سے پرہیز کی ورنہ آج کے دن انعامات سے نوازے جاتے اور اچھے اعمال کا بدلہ پاتے۔

اسی بات کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال دیتے ہیں جس میں امن اور اطمینان کا دور دورہ تھا۔ اور اس میں رہنے والوں کو ہر طرف سے فراغ رزق فراہم کیا جا رہا تھا۔ پھر ان کی طرف ایک رسول انہی میں سے مبعوث ہوا۔ جسے انہوں نے جھٹلایا۔ پھر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ اور اللہ نے انھیں چکھایا لباس بھوک اور خوف کا، یہ بدلہ تھا ان کے کئے کا اور ان کے ظلم کا

خلاصہ مثال

۱۔ قیامت کے روز ہر شخص اپنے ہی نفس سے جھگڑتا چلا آئے گا جب وہ اپنے کئے کا پورا پورا حساب اپنے سامنے دیکھے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کریں گے۔

۳۔ ایک بستی میں کچھ لوگ رہا کرتے تھے۔ بستی میں ہر طرف سے امن اور اطمینان تھا اور رزق کی فراوانی تھی۔

۴۔ پھر ان کی طرف اللہ کا ایک رسول انہی میں سے مبعوث ہوا۔

۵۔ بستی والوں نے اس رسول کو جھٹلایا اور اللہ کی ہدایت سے رہنمائی حاصل نہ کی بلکہ قانون فطرت سے برسرپیکار ہوگئے۔

۶۔ پھر اللہ نے ان کی اعمال بد کی سزا کے طور پر اپنے انعامات ان سے واپس لے لئے۔

۷۔ اللہ نے ان پر افلاس۔ بھوک۔ غربت اور خوف مسلط کر دیئے۔ اور ان کو امن۔ سکون۔ اطمینان اور رزق کی فراوانی سے محروم کر دیا۔

مثال ۱۷

مثال دو مردوں کی ایک شکر گزار اور دوسرا ناشکرا

سورۃ الکہف۔ آیات۔ ۳۲۔ ۳۳ سے ۴۴ تک۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا (۳۲) كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (۳۳) وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصٰحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (۳۴) وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا (۳۵) وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (۳۶) قَالَ

لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا (۳۷) لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ
اَحَدًا (۳۸) وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا
بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا (۳۹) فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ
يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ
صَعِيْدًا زَلَقًا (۴۰) اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا (۴۱)
وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (۴۲)
وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا (۴۳)
هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا (۴۴) ع

مفہوم ۔ اور بتا ان کو کہاوت دو مردوں کی ۔ بنا دیئے ہم نے ایک کو
دو باغ انگور کے اور ان کے گرد کھجوریں ، اور دونوں کے بیچ میں کھیتی ۔
دونوں باغ پھل لاتے اور اس میں کمی نہ کرتے اور ان دونوں باغوں کے
بیچ میں بہائی ہم نے ایک نہر۔ جب اس نے اٹھایا پھل تو لینے ساتھی
سے بولا ، جب باتیں کرنے لگا ۔ اس سے میرے پاس تجھ سے مال زیادہ
اور زیادہ لوگوں میں میری عزت ہے ۔ وہ ایک باغ میں داخل ہوا اور اپنے
جی میں برا کر رہا تھا ۔ بولا مجھے گمان ہی نہ ہے کہ یہ باغ کبھی بھی خراب ہو اور مجھے گمان بھی
بھی نہ ہے کہ قیامت ہوتی ہے ، اور اگر کبھی پہنچا یا گیا مجھے میرے رب کے پاس تو وہاں پہنچکر بہتر ہی پاؤں گا ،
اس کے ساتھی نے اسے کہا جب وہ بات کرنے لگا کہ کیا تو اس ذات سے منکر ہو گیا ہے ۔
جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے پھر بوند سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد ، پر میں تو
کہوں وہی اللہ ہے تیرا رب اور نہ مانوں شریک اپنے رب کا کسی کو اور
کیوں نہ جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کہا ہوتا ماشاء اللہ ، کچھ زور نہیں

مگر دیا اللہ کا اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال میں اور اولاد میں۔ تو امید ہے کہ میرا رب دے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک بھبھوکا آسمان سے، پھر صبح کو رہ جائے میدان چٹیل۔ یا صبح کو اس کا پانی خشک ہووے، اور تو اس کو نہ ڈھونڈ سکے۔ پھر سمیٹ لیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا۔ اس مال پر جو اس میں لگایا تھا۔ اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پہ اور کہنے لگا کہ خوب تھا اگر میں ساجھی نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کو اللہ کے سوا اور نہ ہوا وہ کہ بدلا لے سکے۔ وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔ اس کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلا۔

خلاصہ مثال

۱۔ دو آدمی تھے۔

۲۔ اس میں سے ایک کے دو باغ تھے انگور کے، جن کے گرد اگرد کھجوروں کے درخت تھے اور بیچ میں کھیتی اور ان دونوں کے درمیان میں ایک نہر پانی کی سیرابی کو

۳۔ دونوں باغ جوبن پر تھے اور بھرپور پھل لاتے تھے اور پھل میں اضافہ ہر سال تھا کمی نہ تھی۔

۴۔ جب اس نے پھل برداشت کیا تو اپنے ساتھی سے گویا ہوا۔

۱۔ میں تم سے مالی اور عددی لحاظ سے برتر ہوں۔ یعنی تکبر کیا۔ برتری کا اظہار کیا۔

۵۔ جب داخل ہوا باغ میں تو فخر سے اترایا اور ظلم کیا اپنے آپ پر اور کہا کہ میں تو گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی خراب بھی ہو۔

ب ۔ اور یہ کہ میں تو گمان نہیں کرتا کہ قیامت بھی قائم ہوگی۔
ج ۔ اور یہ کہ اگر ایسا ہوا اور وہ اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو
وہاں بھی اسے اس سے بہتر ہی ملے گا۔
۶۔ اس کے ساتھی نے اس موقع پر اسے مخاطب کرکے کہا۔
(د) کیا تو اس ہستی سے انکار کر رہا ہے جس نے تجھے مٹی سے
پھر نطفہ سے تخلیق کرکے پورا مرد بنا دیا۔
(ڈ) میں تو اسے اپنا رب سمجھوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک
نہ کردوں۔
(ذ) اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا اور تو نے دیکھا کہ تو مجھ
سے مال اور اولاد میں فرزوں ہے تو تو نے کیوں نہ کہا
ماشاءاللہ۔ کچھ قدرت نہیں مگر اللہ کا دیا۔
(ر) مجھے امید ہے کہ میرا رب دے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر۔
(ڑ) ممکن ہے وہ تیرے باغ پر آسمان سے ایسی آفت بھیج دے
کہ صبح یہ چٹیل میدان رہ جائے۔
(ز) یا اس کا پانی زمین کے اندر کا اور باہر کا ایسے خشک ہو جائے
کہ تو اس پانی کا منبع ہی تلاش نہ کر سکے۔
۷۔ اللہ نے اس کا سارا پھل سمیٹ لیا اور تباہ ہو گیا باغ اور صبح
کو وہ (متکبر۔منکر) اس مال کے نقصان پر ہاتھ نچاتا رہ گیا جو اس
میں لگایا تھا۔
۸۔ اور کہا اس نے اسے کاش میں اپنے رب کا شریک نہ ٹھہراتا
کسی کو۔
۹۔ اس نقصان میں یا مصیبت میں اس کی جماعت مدد نہ کر سکی جس

کی عددی برتری پر اسے فخر تھا۔ اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکا اس نقصان کا۔

۱۰۔ وہاں سب اختیار اللہ سچے کو ہے۔ اس کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ۔

مثال ۱۸۔ حیات دنیوی کی مثال

سورۃ الکہف۔ آیت ۴۵ تا ۴۹

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (۴۵) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (۴۶) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ (۴۷) وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (۴۸) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (۴۹)

مفہوم۔ اور بتا ان کو مثال دنیا کی زندگی کی۔ جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے زمین کا سبزہ جو کل کو ہو رہا چورا ہوئیں

اڑانا اور اللہ کو ہے ہر شے پر قدرت۔

لوٹ دنیوی زندگی کی بے ثباتی کی یہ مثال دیکر آگے قیامت کا ذکر ہے جس کا بیان اس مثال کو اور دنیوی زندگی کی بے ثباتی کو واضح کرنے کیلئے ضروری ہے۔ آئندہ کی آیات میں فرمایا۔

مفہوم مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی کی اور باقی رہنے والے اعمال صالح اللہ کے ہاں بہتر ہے۔ بدلہ اور بہتر ہے توقع۔ جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں اور تو دیکھے زمین کھل گئی ہے اور جمع کرلیں ان کو اور پھر نہ چھوڑیں ان میں ایک کو۔ اور سامنے لائے تیرے رب کے قطار اندر قطار اور آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا۔ تم کو پہلی بار۔ انہیں تم بتاتے تھے کہ نہ ٹھہرادیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ اور کتاب رکھی جائے گی تو دیکھے گا گنہگار اس کے اندر کی تحریر سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں لے خرابی یہ کتاب کیسی ہے نہ چھوڑے چھوٹی بات نہ بڑی بات اور جو کیا ہے اسے اپنے سامنے پائیں گے۔ اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔

دنیوی زندگی کی بے ثباتی کی مثال پانی برسنے پر سبزہ نتھ رہ نتھ اگتا ہے پھر وہ سبزہ چورا چورا ہو کر ہوا میں بکھر جاتا ہے یہ چند روز کا شباب ہے رعنائی ہے۔ پھر زوال ہی زوال ہے۔ اس دنیا کی زینت مال سے اور اولاد سے مگر اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی کی زینت اعمال صالح سے ہے جن کی بناء پر اس سے بہتر بدلہ اور توقع کی جاسکتی ہے۔

قیامت کا بھیانک منظر ہے۔ جب پہاڑ چل پڑیں گے۔ زمین کھل جائے گی۔ تمام انسان قطار اندر قطار جمع ہوں گے۔ اپنے اعمال کا حساب ایک کتاب میں پڑھیں گے جس میں ہر چھوٹے بڑے عمل کا مذکور ہوگا اور

ہر کسی کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا۔ البتہ کسی کے ساتھ ظلم نہ ہوگا۔

خلاصہ مثال

۱۔ دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برسا۔ سبزہ نکلا
۲۔ پھر سبزہ کل ہو رہا چورا چورا اور ریزہ ریزہ اور بکھر گیا فضا میں
۳۔ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔
۴۔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہے۔ اس طرح اعمال صالح
اخروی زندگی کی زینت ہیں۔ جن پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ سے بہتر بدلہ
کی توقع کی جا سکتی ہے۔
۵۔ قیامت کے دن پہاڑ چل پڑیں گے اور زمین کھل جائے گی۔
۶۔ سب کو جمع کر لیا جائے گا۔ قطار در قطار جس طرح اللہ نے بنایا تھا
پہلی بار۔
۷۔ ان لوگوں کو بھی جمع کر لیں گے، جن کے زعم میں قیامت کے دن کا قیام
یقینی نہ تھا۔
۸۔ ایک کتاب کھولی جائے گی جس میں پڑھنے سے گنہگار ڈرتے
ہوں گے۔
۹۔ اور کہتے ہیں کہ کیسی کتاب ہے جن میں ہمارا چھوٹے سے چھوٹا
اور بڑے سے بڑا عمل بھی مذکور ہے۔
۱۰۔ ہر شخص اپنے کیے کو اپنے گزشتہ اعمال کو اپنے سامنے پائے گا۔
اور کسی کے ساتھ اس کے رب کی طرف سے ظلم نہ ہوگا۔

مثال ۱۹۔ مشرکین کا انجام

سورۃ حج ۔ آیات ۳۰ ۔ ۳۱

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۳۰) حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (۳۱)

مفہوم ۔ پس بت پرستی کی نجاست سے دور رہو۔ اور دروغ گوئی سے بچتے رہو۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو خدائے واحد کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر یا اسے پرندے اچک کر لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز مقام پر لے جا کر ڈال دے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مرکز کائنات ہے جو اس محور کے دائرے میں ہر طرف سے کٹ کر آگیا وہ تو محور و مرکز کے ساتھ منسلک ہونے کے ناطے بچ گیا جو شخص اس محور سے کٹ گیا۔ اور غیر اللہ کے سہارے پر بیٹھ گیا یا حق کے مقابلے میں دروغ و فریب کا آسرا پکڑا اس کی مثال پھر ایسے ہے جیسے وہ آسمان سے گر پڑا۔ گرا تو ہلاکت اس کا مقدر بن گئی۔ اب صرف ہلاکت کی دو صورتوں میں فرق بتلایا گیا۔ جس نے بھی غیر اللہ کے سہارے پکڑے اور خدائے واحد کی واحدنیت سے انحراف کیا ہلاکت اس کا مقدر ہو گئی۔ جیسے آسمان سے گرنے کے بعد طبعی زندگی کی ہلاکت یقینی

اور بدیہی امر ہے اب چونکہ اس شخص نے سہارا غیر اللہ کا پکڑا ہے۔ لہٰذا یا تو وہ غیر اللہ اسے پرندوں کی مانند اچک کر لے جائیں گے اور یا پھر جس دروغ اور دجل و فریب کا آسرا اس نے پکڑا ہے وہ اسے ہوا کی طرح دور کسی مقام پر لا گرائے گا۔

خلاصہ مثال

۱۔ بت پرستی کی نجاست سے دور رہو۔
۲۔ دروغ گوئی سے بچتے رہو۔
۳۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو رہو۔
۴۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کرو۔
۵۔ مشرک کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص آسمان سے گر پڑے۔
۶۔ پھر اسے یا تو پرندے اچک کر لے جائیں یا پھر ہوا کسی دور دراز مقام پر لے جا کر ڈال دے۔
۷۔ ھلاکت ایسے شخص کا مقدر ہے۔

مثال ۔ ۲۰ ۔ غیر اللہ کی بے چارگی کی مثال

سورت ۔ حج ۔ آیت ۷۳

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (۷۳)

مفہوم ۔ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے ۔ اسے غور سے سنو ۔ اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم معبود کے طور پر پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی کی تخلیق بھی نہیں کر سکتے ۔ خواہ سب کے سب یکجا کیوں نہ ہو جائیں ۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے اس چیز کو واپس بھی نہیں لے سکتے ۔ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں ۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا نہیں جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا ۔ بے شک اللہ قوت اور غلبے والا ہے ۔

ایک نہایت ہی واضح مثال جو ہر انسان کے روزمرہ کے مشاہدے سے بہت ہی قریب ہے ۔ انسان کسی کو معبود کب مانتا ہے ۔ جب معبود میں مافوق البشر قوتیں دیکھتا ہے ۔ دوسرے کے سامنے سجدہ ریز اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی ذات کو قوت میں اور تصرف میں اپنے سے برتر پاتا ہے ۔ اپنے ہم کو آج تک کسی نے معبود نہیں گردانا کسی صاحب اختیار کو دنیوی جاہ جلال کے پیش نظر وقتی عزت و احترام تو دیا جا سکتا ہے مگر اسے معبود کا درجہ نہیں دیا جاتا ۔ یہ اور بات ہے کہ جو مافوق الفطرت قوتیں ان معبودان باطل کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں وہ ان میں ہوتی بھی ہیں یا نہیں ۔ اور اگر بالفرض وہ قوتیں ہوں بھی تو بھی وہ معبود بننے کے اہل نہ ہیں ۔ اس فرق کو اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں بڑے کھلے اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن معبودان باطلہ کو تم خدا کا ہمسر سمجھے ہوئے ہو ۔ ان کا عالم تو یہ ہے کہ وہ سب مل کر بھی ایک مکھی تخلیق نہیں کر سکتے ۔ جبکہ خدائے واحد نے اکیلے یہ تمام کائنات تخلیق کی ہے ۔ جس کی جملہ آبی اور خشکی کی مخلوقات کا تمام تر علم ابھی تک جبکہ عقل انسانی سے باہر ہے ۔ وہاں خالق اکیلا ہے اور کائنات کی تخلیقات ہیں ۔ یہاں تمام معبودان باطلہ کا الحاق اور ایک مکھی کی تخلیق سے محرومی ۔

اس مثال کو مزید واضح کرنے کے لئے یہ تک فرما دیا کہ مکھی کی تخلیق تو درکنار اللہ کی یہ ادنیٰ سی مخلوق اگر ان سے کوئی شئے چھین کر لے جائے تو وہ اس سے اپنی چھینی ہوئی شئے واپس لینے پر بھی قادر نہ ہیں۔ غور کریں ان کی بے بسی اور ناتوانی کا عالم، ان بے بس اور ضعیف خداؤں کے سامنے سجدہ ریز ہونے والا بھی ضعیف۔ اور اس کے یہ خدا بھی کمزور اور ضعیف طالب اور مطلوب دونوں ضعیف کیونکہ دونوں کے اپنے بس میں کچھ ہے ہی نہیں۔

خلاصہ مثال

۱۔ اس مثال کو غور سے سننے کی تاکید کی گئی ہے۔
۲۔ معبودان باطلہ تو تمام کے تمام ملکر بھی ایک مکھی کی تخلیق نہیں کر سکتے۔
۳۔ تخلیق تو درکنار اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اپنی چھنی ہوئی شئے اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔
۴۔ عابد اور معبود۔ طالب اور مطلوب دونوں ضعیف اور ناتواں ہیں
۵۔ یہ غلط اور باطل عقائد اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں پہچانا جیسا کہ اسے پہچاننے کا حق ہے
۶۔ اللہ تعالیٰ زبردست قوت اور غلبے والے ہیں۔

مثال ۔ ۲۱ ۔ نورِ خداوندی کی عظیم مثال

سورۃ النور ۔ آیت ۔ ۳۵

اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ

مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)

مفہوم۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا مثال اس کے نور کی ایسی ہے۔ جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ۔ چراغ دھرا ہے ایک شیشہ میں۔ شیشہ جیسے تارا چمکتا۔ تیل جلتا ہے اس میں ایک زیتون کے مبارک درخت سے۔ یہ مشرق کی طرف نہ مغرب کی طرف۔ لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی لگی ہو اسکی آگ۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی سے جس کو چاہے۔ اور بتاتا ہے۔ اللہ مثالیں لوگوں کو اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

یہ ایک عظیم الشان مثال ہے۔ اور قرآن حکیم کی دیگر مثالوں میں تشبیہ اور استعارہ کے لحاظ سے منفرد مقام رکھتی ہے۔ اسے مختلف مفسرین نے واضح کرنے کی کوشش کی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں بڑی عمدگی سے وضاحت کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہیں۔ دنیا میں جس قدر بھی روشنی ہے وہ کسی دوسری چیز کی مرہون منت ہے۔ اور ان کو ثبات و دوام نہ ہے۔ ان کے اندر نقص اور کمی ہے مگر ایک نور ہے جو ہر لحاظ سے جامع، بے عیب اور دائمی ہے۔ جس کی چمک نہ تو ماند پڑنے والی ہے نہ ختم ہونے والی ہے جس کے نور سے آسمان و زمین منور ہیں۔ جس کے نور سے آسمانوں و زمین کی تمام روشنیاں اکتساب نور کرتی ہیں۔ مگر اس نور میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ تمام جہانوں کو ایک گھر کی طرح تصور کیا جائے تو اللہ پاک کے اسی نور کی حالت یہ ہوگی جیسے

ایک روشن چراغ جو ایک طاق میں پڑا ہوا ہے۔ اور یہ چراغ ایک شیشے میں دھرا ہے۔ طاق میں اس غرض سے بلندی پر ہے۔ اور اس کی روشنی سے سارا ماحول جگمگ کر رہا ہے۔ پھر چراغ پڑا ہے شیشے میں جس سے روشنی صاف اور چمکدار اور نور چھن کر آ رہا ہے۔ یہ شیشہ بھی پھر عام ریت، سوڈیم اور چونے سے بنا ہوا شیشہ نہ ہے۔ بلکہ ایک چمکتے ستارے کی مانند ہے اس چراغ کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی عام قسم کا تیل نہیں جل رہا ہے۔ جلنے والے تیل کی مختلف اقسام میں سے درختوں سے حاصل کردہ تیل سب سے بہتر ہوتا ہے اور درختوں میں سے پھر زیتون کا تیل جلنے اور دیگر استعمال میں لائے جانے کی وجہ سے ایک اعلیٰ ترین مقام رکھتا ہے۔ پھر یہ زیتون کا درخت بھی مخصوص درخت ہے جس کا تعلق نہ مشرق سے ہے نہ مغرب سے۔ بلکہ تمام عالم میں پھیلا ہوا، ایک طرف کا نہ ہے جیسے آج مغربی اور مشرقی افکار انسانی ذہنوں کو اور انسانی نسل کو تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ اس چراغ کا اور زیتون کے درخت کا تعلق کسی ایک علاقہ اور افکار اور دور سے نہ ہے۔ یہ ہر زمانے اور ہر علاقے سے متعلق ہے اور اس کی روشنی بھی کسی لحاظ سے زمانی، جغرافیائی نسل یا رنگ و خون کے امتیازات سے بالاتر ہے اس درخت کے تیل کا یہ عالم ہے کہ بن جلے اپنی ذات میں بھی ایک روشنی فراہم کر رہا ہے اس کے باطن میں ہی ایک نور ہے۔ در اصل نور اس تیل کے اندر ہوتا ہے، جو جل کر ماحول کو روشن کرتا ہے لیکن یہ تیل ایسا ہے جو آگ کے بغیر ہی روشنی دیتا ہے۔ تاہم آگ بھڑک کر اس نور کو اور شدت عطا کرتی ہے۔ اللہ کے نور کی مثال یہ ہے کہ وہ نور تہہ در تہہ نور ہے۔ درخت کی شاخوں میں تیل نور دے رہا ہے۔ درخت ایسا کہ مشرق و مغرب کے لاحقے سے بالاتر یہ تیل جل کر چراغ کو روشن کرتا ہے تو تمام روشن ہو جاتا ہے، پھر یہ چراغ

ایک ستارے کی مانند جھمکتے شیشے میں ہے اور چراغ پڑا ہے اپنے طاق میں۔ تیل زیتون کا درخت جھمکتا ستارہ چراغ اور طاق روشنی کے ایک کے اوپر ایک مدارج ہیں۔ اللہ کا نور تمام عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ عالم کی ہر شے اسی نور سے ہدایت حاصل کرتی ہے

خلاصہ مثال

۱۔ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔
۲۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق۔
۳۔ طاق میں ایک چراغ۔ چراغ تارے کی مانند، جھمکتے ہوئے شیشہ میں۔
۴۔ اس چراغ میں ایک برکت والے زیتون کے درخت کا تیل جلتا ہے
۵۔ وہ زیتون کا درخت ایسا ہے جس کا تعلق نہ مشرق سے نہ مغرب سے
۶۔ اس کا تیل ایسے لگتا ہے جیسے آگ لگنے کے بغیر ہی سلگ اٹھے۔
۷۔ اللہ کا نور، جیسے نور کے اوپر نور۔
۸۔ اللہ اس نور سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔
۹۔ اللہ بندوں کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں اور ہر شے کا علم رکھتے ہیں۔

مثال ۲۰۔ اہل کفر کے اعمال کی حقیقت

سورۃ النور۔ آیات ۳۹۔۴۰

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ

حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۳۹) اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۴۰)

مفہوم جو لوگ منکر ہیں ان کے کام جیسے ریت چٹیل میدان میں، پیاسا جانے اس کو پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب (۳۹)

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھتی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر ایک بدلی۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں کہ اسے دیکھ پائے (ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دے) اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی (۴۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی عظیم مثال بیان کی ہے۔ آیت ۳۷ اور ۳۸ میں اللہ تعالیٰ مومنین کا ذکر فرما رہے ہیں، اور کہتے ہیں وہ لوگ جو تجارت میں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے اور نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس دن سے ڈرتے ہیں، جب دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے، کہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہتر سے بہتر کاموں کا۔ اور ان کو اپنے زیادہ فضل سے نوازے۔ اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب۔

آیات ۳۹ اور ۴۰ میں دو مثالوں سے کفار کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۹ میں کفار کے اعمال کی حقیقت کا بیان ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ کفار کے اعمال ریت کے چٹیل میدان کی طرح

ہیں جس میں گھاس پھوس کا تنکا تک بھی نہیں ہے۔ اور اس کافر کی حالت ایسی ہے جیسے صحرا کا مسافر جو شدید پیاسا ہو۔ اور اس چٹیل میدان لق و دق صحرا میں ہو جہاں منزل نہ منزل کا نشان۔ ایسی حالت میں اسے اپنے اعمال سراب کی صورت میں نظر آئیں اور وہ ان کو پانی سمجھ کر ان کی طرف لپکے۔ اور وہاں پہنچ کر حسرت و یاس اور تاسف و ندامت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ لگے اور پیاس میں مزید شدت ہو جائے۔ جب وہ سراب کے پیچھے وہاں پہنچے تو فطرت کو اپنے اعمال کا حساب چکانے کی خاطر وہاں موجود پائے۔

اس کے اعمال کا بہت کم حصہ اعمال صالح کی تعریف میں آتا ہے۔ اور وہ اعمال صالح بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر نہ تھے اور نہ ہی حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ پر تھے۔ لہٰذا ان کی حیثیت بھی ایک سراب کی سی ہو گئی اور ان اعمال پر تکیہ اس کافر کے لئے جو پہلے ہی پیاس کی شدت سے بلبلا رہا ہو۔ مزید تاسف، ندامت اور حسرت و یاس کا سبب بنے گا۔ اور جو ایسے عالم میں جب وہ ہر طرف سے مایوسی کا شکار رہو گا وہ اپنی زندگی کے منطقی انجام کو جا پہنچے گا اور اس کے اعمال کا معاملہ تمام ہو جائے گا اور پھر اس کے اعمال کے حساب کتاب کا عمل شروع ہو جائے گا۔ میر نے بھی یہ مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا ہے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے	یہ نمائش سراب کی سی ہے

خلاصہ مثال

۱۔ کفار کے اعمال کی مثال چٹیل میدان میں سراب کی سی ہے۔
۲۔ جیسے پانی سمجھ لے اور لپکے اس کی جانب پیاس بجھانے کو
۳۔ وہاں پہنچے تو حقیقت منکشف ہو۔ اور وہاں اللہ کا قانون مکافات عمل موجود ہو۔

۴۔ اُس کے عمل کا باب ختم ہو۔ اور مکافات کا عمل شروع ہو جائے۔

کفر کے اندھیروں کی مثال

سورۃ النور۔ آیت۔ ۴۰

آیت ۴۰ کا مفہوم اوپر تحریر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بھٹکتے ہوئے گھپ اندھیروں کا شکار ہونے کی مثال بیان کی ہے۔ مثال کی شدّت اور کمال سے بیان کا زور جھلکتا ہے۔ اور بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ واقعی قرآن حکیم قادر مطلق کی کتاب ہے گھپ اندھیرے کی مثال اس سے زیادہ شدید ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک سمندر ہے جس میں ایک کے اوپر ایک لہر اٹھ رہی ہے۔ لہروں کی تہیں ہیں۔ پہلا اندھیرا سمندر کی تہہ کا۔ پانی کے اندر کا۔ دوسرا اندھیرا لہروں کے ایک دوسرے کے اوپر اٹھنے کا تہہ در تہہ۔ دو اندھیرے اور تیسرا اندھیرا کالے بادلوں کا جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دے۔ اور پھر جس کو اللہ نے روشنی سے محروم رکھا ہوا ہے۔ بھلا روشنی کہاں سے مل سکے گی۔ ذرا غور کیجئے۔ رات اندھیری۔ سمندر کی تہہ۔ لہروں پہ لہریں اور تاریک بادل۔ بھلا اس سے زیادہ تاریکی کہاں ہوگی۔ یہ تاریکی ہے قلب کافر میں۔ نور تمام تر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے۔ کافر اس نور سے محروم ہے۔ اس کا قلب پہلے ہی رات کی مانند تاریک ہے پھر عقائد باطلہ کی تاریکی سمندر کی تہہ اور پھر اعمال سیاہ کی تاریکی لہر بہ لہر کی مانند ہے اور پھر خواہشات نفسانی اور مادیت پرستی کے تاریک بادل۔ یہ تمام تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر ایسی ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا۔

پھر ایک بڑی حقیقت کا بیان ہے چونکہ نور کا منبع ذات خداوندی

ہے۔ لہٰذا جسے اس کی طرف سے روشنی میسر نہ ہوئی اسے اور کہاں سے روشنی مل سکے گی۔

خلاصہ مثال

۱۔ کفار کی مثال ایسی ہے جیسے گہرے سمندر کی تہہ میں اندھیرا۔
۲۔ ایک سمندر جس میں ایک کے اوپر ایک لہر چڑھتی چلی آ رہی ہے۔
۳۔ باہر کا عالم یہ ہے کہ آسمان پر سیاہ بادل گھرے ہوئے ہیں۔
۴۔ اس قدر گھٹا ٹوپ اندھیرا کہ ہاتھ پر ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا۔
۵۔ جس کو منبع نور سے روشنی نہ دی گئی ہو اسے بھلا دنیا میں روشنی کیسے میسر آ سکتی ہے۔

مثال ۲۳۔ کفار کی مثال

سورۃ فرقان ۔ آیت ۴۴

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۴﴾

مفہوم۔ یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ نہیں یہ تو بالکل چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

چونکہ کفار نسل انسانی کے رکن ہیں لہٰذا ان کی ظاہری صورت اور حیثیت کی وجہ سے ان پر گمان کیا جاتا ہے کہ وہ سماعت کی قوت رکھتے ہیں اور عقل و سمجھ کے حامل ہیں۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ دنیاوی امور میں وہ ان ہر دو قوتوں سے بھرپور کام لیتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح بظاہر تو وہ سماعت کی قوت بھی رکھتے ہیں اور عقل و خرد سے بھی کام لیتے ہیں مگر یہ

قوتیں صرف مادی مفادات کے تحفظ کے لیے ہی ان کی اعانت کرتی ہیں۔ جہاں بات روحانی نشوونما اور اللہ کی ھدایت کی آتی ہے تو یہ قوتیں ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ اور اس وقت وہ عام چوپایوں اور جانوروں کی سطح پر آجاتے ہیں، چوپائے اور جانور بھی اپنی جبلت اور تربیت سے کچھ رہنمائی حاصل کر لینے کی استعداد رکھتے ہیں مگر نسل انسانی کے کج رواراکین جب من مانی پر آجائیں تو وہ بہائم و انعام کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ بہائم اور انعام اپنی ایک خاص روش سے ہٹ نہیں سکتے۔ مگر خود حضرت انسان جب چاہے تو وہ غلط روش پر اتنا آگے جا سکتا ہے جس کا احاطہ کرنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ بہائم اور انعام سے مثال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی تمام تر کوششیں اپنے مادی وسائل کے حصول پر مرکوز ہوتی ھیں جسمانی نشوونما اور خوراک کا حصول ہی ان کی مساعی کا محور ہے۔ پس اگر انسان بھی مادی مفادات کو ہی زندگی کا مقصود و منشا سمجھ لے تو وہ بہائم کی سطح کی زندگی گزارنے لگ جاتا ہے۔ مگر جب وہ اللہ کی ھدایت سے روگردانی کر کے اس کے برعکس روش زندگی اختیار کرتا ہے تو وہ گمراہی میں بہائم و انعام سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ بظاہر ایسا لگتا ہے جیسے کفار میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں

۲۔ حالانکہ یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں جو محدود سماعت اور سمجھ رکھتے ہیں۔

۳۔ بلکہ یہ چوپایوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

مثال ۴۷۔ غیر اللہ کے سہارے پکڑنے والوں کی مثال

سورت عنکبوت ۔ آیت ۴۱

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (۴۱)

اس سے پہلی آیت میں امم سابقہ کے اعمال کے نتیجہ میں جن مختلف صورتوں میں عذاب نازل ہوتا رہا ہے اس کا مذکور ہے کسی امت پر پتھراؤ کا عذاب آیا کسی کو چنگھاڑ نے پکڑا کسی کو زمین میں دھنسا یا گیا کسی کو پانی میں غرق کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر ظلم نہ کیا بلکہ ان لوگوں نے خود اپنی جان پر مظالم ڈھائے۔

یہ لوگ مختلف نوعیت کے عذابوں میں مبتلا ہوئے یہ وہی تھے جنہوں نے غیر اللہ کے سہارے تلاش کئے اور مصیبت کے وقت یہ تمام سہارے بے سود ثابت ہوئے اور کوئی سہارا بھی ان کو قادر مطلق کے عذاب سے نہ بچا سکا۔ بے بس سہاروں پر تکیہ کرنے والا خود کہاں محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔

مفہوم ۔ مثال ان کی جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے سہارے پکڑے مثال مکڑی کی بنایا اس نے ایک گھر۔ اور سب گھروں میں بودا مکڑی کا گھر۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی۔ گھر امن اور سکون کا گہوارہ ہوتا ہے۔ موسموں کے تغیر اور تبدل میں انسان کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔ انسان کی ذاتی اور خاندانی زندگی کا تحفظ ہوتا ہے۔ اور مکڑی کا گھر نہ سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے نہ پناہ کا نہ تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔ جب انسان ایسے سہاروں پر تکیہ کرے جو بے وقعت اور بے ہستی ہوں۔ (اللہ کے سوا کسی شے پر کوئی ہستی قادر نہ ہے) ایسے

مختلف مقامات پر قرآن حکیم میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق اور ربط جوڑنے کے متعلق فرمایا کہ وہ معبود ان کی مدد نہ کر سکیں گے۔ نہ ہی وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ بلکہ جب اللہ کا حکم پہنچا تو انہوں نے ان مشرکین کی تباہی میں اضافہ کیا۔

سورۃ فاطر آیت ۱۳-۱۴-۱۵ میں یہ مضمون بڑا واضح کیا ہے کلام میں جوش اور روانی ملاحظہ ہو۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (۱۳) اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (۱۴) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۱۵)

مفہوم۔ رات نکالتا ہے دن سے اور دن کو نکالتا ہے رات سے۔ اور مسخر کئے سورج اور چاند۔ ہر ایک رواں دواں ہے ایک ٹھہرائے وعدے پر۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب اس کی بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا مالک نہیں ایک چھلکے کے (۱۳) (قطمیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی پر باریک سا پردہ) اگر تم اُن کو پکارو سنیں نہ تمہاری پکار۔ اور اگر سنیں تو تمہاری مدد کو نہ پہنچیں اور قیامت کے دن تمہارے شریک ٹھہرانے سے انکار کر دیں گے اور کوئی تجھ کو بتائے گا جیسا کہ خبیر بتائے گا (۱۴)

پھر وہ آیت مبارکہ قادر ذو الجلال کی طرف سے آتی ہے۔ صاحبان سنئے مگر دل تھام کے۔

اے نوع انسانی تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواہ

بہت خوبیوں والا"۔

نوعِ انسانی کے ہر فرد بلکہ گروہ کو مخاطب کر کے جن میں ظاہری صاحبانِ اقتدار و جبروت بھی ہیں ایک آفاقی حقیقت کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے۔ سب محتاج ہیں۔ اللہ کے سامنے بس وہی خوبیوں والا بے پرواہ ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ اللہ کے سوا دوسرے سہارے پکڑنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مکڑی۔

۲۔ اور وہ مکڑی بنائے ایک گھر

۳۔ اور سب گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔

۴۔ کاش غیر اللہ کے سہاروں پر جینے والے جان لیتے یہ سہارے کتنے بے وقعت اور بے بس ہیں۔

مثال ۲۵۔ ردِّ شرک کی مثال

سورت روم۔ آیت ۲۸

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲۸)

مفہوم۔ اللہ تمہارے سامنے خود تمہارے اپنے ہی حال سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔ جن غلاموں کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی بھی اس روزی میں جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے تمہارا شریک ہے

کہ تم اور وہ آپس میں برابر کا حق رکھتے ہو۔ اور ان سے بھی ویسا ہی اندیشہ رکھتے ہو جیسا اپنے سے۔ ایسا ہی ہم سمجھنے والوں کے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

یہ مثال ایک دنیوی حقیقت پر مبنی ہے جو ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں ہے اور مشرک بھی اس کا ذاتی تجربہ اور ادراک رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے غلام لونڈیاں جو تمہارے تصرف میں ہیں کیا تم ان کو اپنے مال۔ جائیداد میں اپنا شریک بنانے کا تصور کر سکتے ہو۔ حالانکہ غلام اور لونڈی تخلیق کے لحاظ سے مالک و آقا سے کسی طرح کم تر نہ ہے۔ ؎

خون شاہ رنگیں تراز زود رنیست

تاہم دنیا میں ایک نظام رائج ہے اور تقسیم کار ہے جس کے تابع کچھ غلام اور لونڈیاں بن گئے اور کچھ آقا و مالک بنے۔ اس عارضی تقسیم میں یہ مشرک یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اپنی ملکیت کا حصہ دار ٹھہرائیں اور ان سے بھی وہی ذہنی گمان رکھیں جو آپس میں ایک دوسرے شریک یا حصہ دار سے رکھتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ مروجہ طریق اور معروف اصول شراکت کے منافی ہے تو پھر وہ یہ گمان کیسے کر لیتے ہیں کہ ایک قادر مطلق کی مطلق العنانی میں کسی تخلیق کو شامل کر لیا جائے اس کے اختیار اور ارادہ۔ اس کی حکومت اور قانون۔ اس کے نظام اور اصولوں میں اس کی پرستش اور عبودیت میں کسی غیر اللہ کو شامل کیا جائے اور یہ غیر اللہ بھی جبکہ اس کے ادنیٰ غلام کی حیثیت کے حامل ہوں۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایک مثال مشرکین کے روزمرہ کے حالات زندگی سے اللہ بیان

کرتا ہے۔

۲- کہیں تمہارے غلام اللہ کی طرف سے دی گئی روزی میں تمہارے برابر کے شریک ہیں اور کیا ان کے اور تمہارے حقوق اس روزی اور مال و متال میں برابر ہیں۔

۳- اور کیا مال میں شریک ہونے کے بارے میں تم ان غلاموں سے بھی ایسا ہی اندیشہ رکھتے ہو جیسے آپس میں اپنے خونی رشتہ داروں اور قرابت داروں سے جو واقعتاً شریک ہوتے ہیں۔

۴- ہم ایسے ہی کھول کر اہل عقل و دانش کے لئے نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

مثال ۲۶۔ مرنے کی مثال

سورۃ فاطر آیت ۱۹-۲۰-۲۱-۲۲

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (۱۹) وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ (۲۰) وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ (۲۱) وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (۲۲)

ترجمہ۔ اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا (۱۹) اور نہ اندھیرا نہ اجالا (۲۰) اور نہ سایہ اور نہ لو (۲۱) اور برابر نہیں زندہ اور مردہ۔ اور اللہ سناتا ہے جسے چاہے تو تو نہیں سنانے والا قبروں میں پڑے مُردوں کو (۲۲)

ان آیات سے قبل آیت نمبر ۱۸ میں مذکور ہو رہا ہے۔ قیامت کے دن کا جس کے ساتھ مثال اور واضح ہو جائے گی۔ گزشتہ آیت میں فرمایا۔

"اور نہ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا۔ اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو تو کوئی نہ اٹھائے۔ اس میں سے کچھ اگرچہ ہو ناطے والا۔ تُو تو ڈر سناتا ہے ان کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ اور قائم کرتے ہیں نماز۔ اور جو کوئی سنورے گا۔ وہ سنوریگا اپنے بھلے کو۔ اور اللہ کی طرف ہے لوٹ کر جانا۔"

یہاں فرمایا کہ جو بن سنور گیا وہ اور دوسرا جس نے اپنے آپ کو خاک میں دھنسا دیا۔ دونوں برابر تو نہیں ہوسکتے۔ جیسے اندھا صاحب بصارت کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اندھیرا اجالے کے برابر نہیں ہوسکتا، سایہ دھوپ کے برابر اور زندہ مردہ کے برابر۔ فرق صاف ظاہر ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ اندھا صاحب بصارت کے برابر نہیں۔
۲۔ اندھیرا اُجالے کے برابر نہیں۔
۳۔ سایہ لُو کے برابر نہیں۔
۴۔ زندہ مردے کے برابر نہیں۔

اسی طرح کافر مسلمان کے برابر، مشرک، موحد کے برابر نہیں ہوسکتا اور مزکیٰ، غیر مزکیٰ کے برابر نہیں ہوسکتا۔

مثال ۲۷۔ ایک مالک کے بندے اور مختلف مالکان کے بندے کی مثال

سورۃ الزمر۔ آیت ۔ ۲۹

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

مفہوم ۔ اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک مرد ہے جس میں بہت سارے شریک ہیں جو آپس میں اختلاف رکھتے ہیں ، اور مرد ہے پورا ایک مالک کا ۔ کوئی برابر ہوتی ہے ان کی کہاوت ، سب خوبی اللہ کو ہے ، لیکن سب لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۔

اس آیت سے پہلے کی دو آیتوں میں اللہ نے فرمایا ۔

"اور ہم نے بیان کی لوگوں کو اس قرآن میں سب چیز کی مثال تاکہ وہ غور کریں قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ وہ متقی ہو جائیں ۔"

اس مثال میں دو مردوں کی کیفیت کا بیان ہے ایک مشترک جو متعدد مالکان کا حکمبردار ہے اور ان میں سے تمام مالک آپس میں اختلاف رکھتے ہیں ۔ لہٰذا اس کی کیفیت کا اندازہ کیجئے ۔ اس کی پریشانی کا احاطہ کیجئے ۔ نفسیاتی طور پر کس قدر الجھا اور بٹا ہوا ہے یہ شخص اس کے مقابلے میں موحد ہے ۔ جو صرف ایک ہی مالک کا فرمانبردار ہے اور اس وجہ سے وہ سالم مرد ہے ۔ اس کی کیفیت ہے کہ اسے اپنے مالک کا اس کے حکم کا ، اس کی رضا کا پتہ ہے ، اس نے ایک ہی مالک کا حکم ماننا ہے ۔ اس کے سکون اور اطمینان کا کیا پوچھنا ۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایک مثال ایک مرد کی جس کے بہت سارے مالک ہوں ۔

۲۔ وہ مالک بھی ایسے جو آپس میں اختلاف رکھتے ہیں ۔

۳۔ اس کے مقابلے میں ایک اور مرد جو سالم ایک ہی ذات کا چاکر ہے ۔

۴۔ یہ دونوں مرد اپنی نفسیاتی کیفیت کے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے

۵۔ سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں، مگر مشرکین اس واضح فرق کو محسوس نہیں کر سکتے۔

مثال۔ ۲۸۔ صاحب عمل اور بدعمل کی مثال

(جنّت اور دوزخ کی مثال)

سورہ محمد آیت۔ ۱۴۔ ۱۵

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (۱۴) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (۱۵)

مفہوم۔ بھلا ایک جو چلتا ہے واضح راہ پر اپنے رب کی طرف سے برابر ہے اس کے جس کو بھلا دکھایا اس کا برا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشات کے پیچھے (۱۴)

مثال جنت کی جو وعدہ ہے ڈر والوں کو اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہ دے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ نہ بدلے گا، اور شراب کی نہریں ہیں جس میں مزہ ہے پینے والوں کو، اور شہد کی نہریں ہیں جس کا جھاگ اتار لیا ہو اور اس میں سب طرح کے میوہ جات اور غفران اپنے رب کی طرف سے۔ کیا یہ برابر ہے اس کے جو سدا رہتا ہے آگ میں، اور پلایا ہے ان کو کھولتا

پانی جو کاٹ ڈالے ان کی آنتیں (۱۵)

اس لئے اوپر آیت ۱۲ میں ایک اور امتیازی نشان کافر اور مسلمان کے مابین بتلایا ہے "مقرر اللہ داخل کریگا۔ اہل یقین کو صالحین کو جنت میں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور منکر لوگ رہتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے۔ اور آگ ہے گھر ان کا"

اس آیت میں کفار کے دنیوی مفادات سے متمتع ہونے کو چوپاؤں کے کھانے اور رہنے سے مثال دی ہے اور اہل یقین اور صالحین کے لئے جنت کی بشارت دی ہے۔

پھر فرمایا کہ دو اشخاص جن میں سے ایک اپنے رب کے واضح راستے پر گامزن ہے اور دوسرا جس کو برے کام بھلے نظر آتے ہیں اور جو اپنی خواہشات تعصبات کی عینک سے دیکھتا ہے اور برائی بھی اسے خوبی نظر آتی ہے یہ دونوں کیسے برابر ہوسکتے ہیں۔ جیسے ان کا انجام کہ ایک جنت میں اور دوسرا دوزخ میں ہوگا۔ اور جنت وہ جس میں پانی کی نہریں ہیں۔ مگر یہ پانی ابد تک رہے گا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ کھڑے پانی سے بو پیدا ہو جاتی ہے اور چلتے پانی سے بھی ایک قسم کی باس نکلنے لگتی ہے جو مستقل نمی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے مگر ان نہروں کا پانی بو سے مبرا ہوگا۔ دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ نہ بدلیگا ہمیشہ تر و تازہ خوش ذائقہ رہے گا۔ شراب ہوگا۔ جو پینے میں بہت لذیذ ہوگا۔ اور شہد کی نہریں ہونگی۔ شہد بھی ایسا جو جھاگ اتار کر صاف کیا گیا ہوگا۔ اور ہر قسم کا پھل ہوگا اور ان سب پر مستزاد یہ کہ ان پر اپنے رب کی طرف سے مغفرت نازل ہوگی۔ اس کے برعکس وہ شخص جو اپنی خواہشات کا بندہ بنا اور جس کے برے اعمال اسے اچھے نظر آئے اس کا انجام یہ ہے کہ وہ آگ میں سدا رہے گا۔ اور وہاں اسے پینے کو کھولتا پانی ملے گا جو آنتوں کو

کاٹ کے رکھ دے گا۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایک شخص جو چلتا ہے اپنے رب کے بتائے ہوئے بین راستے پر۔
۲۔ ایک دوسرا جو اپنے برے کام کو بھلا سمجھتا ہے اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلتا ہے برابر ہیں۔
۳۔ مثال جنت کی جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے۔
ا۔ اس میں نہریں ہیں جن کا پانی بو سے پاک ہے۔
ب۔ اس میں دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ نہ بدلے۔
ج۔ شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ ہے۔
د۔ اور مصفیٰ شہد کی نہریں۔
ڈ۔ اور اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔
ذ۔ سب سے بڑھ کر مغفرت ان کے رب کی طرف سے۔کیا برابر ہے اس کے۔
۴۔ جو سدا رہتا ہے آگ میں اور وہاں اسے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملتا ہے جو کاٹ دیتا ہے آنتیں۔

مثال ۔ ۲۹ ۔ غیبت کی مثال

سورۃ الحجرات ۔ آیت ۱۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا

اللہ ؕ اِنَّ اللہ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (۱۲)

مفہوم :- اے ایمان والو! بہت زیادہ قیاس آرائیاں کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ گمان و قیاس سے گناہ بھی ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اور لوگ اس سے گھن کھانے لگیں اللہ سے ڈرو۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں پہلے تو آداب معاشرہ سکھائے گئے۔ انسانوں کے اس معاشرے میں رہنے کا طریق احسن یہی ہے کہ قیاس آرائی سے پرہیز کی جائے۔ اس کی وجہ یہ بتلائی کہ گمان اور قیاس گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔

بقول شاعر :-

چند مجوب نشینی بہ گماں و گراں
خیمہ در کوئے یقین زن کہ گماں چیزے نیست

ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ لوگوں کے حالات کا تجسس نہ کیا کرو۔ بسا اوقات حالات ظاہری سے استنباط حقیقت کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ ان معاشرتی آداب کے بعد ایک بہت بڑی معاشرتی برائی کی نشاندہی کی یہ برائی آج ہمارے معاشرہ میں ہر طبقہ میں ہر مقام پر داخل ہو چکی ہے۔ اس برائی کو غیبت کہتے اس کی قباحت و کراہیت کو ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی۔ مثال یہ ہے کہ کسی کی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ ایک معاشرے کے تمام افراد بھائی بھائی ہیں۔ کسی بھائی کے پس پشت اس کی برائی کرنا جس کی وہ مدافعت بھی نہیں کر سکتا۔ اور جس کا اسے علم بھی نہیں ایسے ہی ہے جیسے ایک بے جان لاش اور غیبت کرنے والے کا چونکہ

مفاد ہوتا ہے جسے کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اپنے مفاد کے حصول کے لئے اپنے بھائی کی پس پشت برائی کرکے مفاد حاصل کرتے ہو تو اس کی مثال ایسے ہی جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتے ہو۔ جب مردہ بھائی کا گوشت کھانا مکروہ ہے اور کوئی شخص اس قبیح فعل کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ تو پھر اس معاشرتی برائی یعنی غیبت کا ارتکاب بھی اتنا ہی مکروہ فعل گردانا گیا۔ جسے کرنا طبع سلیم پر اتنا ہی گراں ہوتا ہے جتنا ایک دنیا دار انسان پر مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ اے ایمان والو قیاس آرائیوں سے پرہیز کرو۔
۲۔ بعض اوقات گمان اور قیاس گناہ بن جاتا ہے۔
۳۔ لوگوں کے حال کی جاسوسی نہ کرو۔
۴۔ ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو۔
۵۔ غیبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔

مثال ۳۰۔ صاحبانِ قوت کی ہلاکت سے سبق حاصل کرنے والوں کی مثال

سورۃ قٓ آیت ۳۶۔۳۷۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ (۳۶) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (۳۷)

مفہوم:۔ اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں جو قوت میں زبردست تھے ان سے اور کرید کرنے لگے شہروں میں۔ کہیں ہے بھاگنے کو ٹھکانا (۳۶) اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے۔ یا لگائے کان دل لگا کر (۳۷)

ان دو آیات میں صاحبان قوت و شوکت و جبروت کی ہلاکت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے قبل ہم قوت اور طاقت میں بہت ہی زبردست قوموں کو جن کی تہذیب و تمدن اپنے عروج پر تھے ختم کر چکے ہیں۔ زیادہ دور کیوں جاتا۔ ہم نے بچپن میں سُن رکھا تھا کہ سلطنت انگلشیہ میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ کہاں ہے آج وہ سلطنت۔ ہمارے اسی ہندوستان میں مغل خاندان کی حکومت کئی سو سال تک قائم رہی۔ کہاں ہے وہ حکومت الغرض بڑی بڑی حکومتیں، قوموں کے عروج و زوال اور مد و جزر زمانہ کا شکار ہو کر ختم ہو چکی ہیں۔ اس سے قبل اس طرح قانون فطرت ان قوتوں کو ختم کر چکا ہے جو اس کے خلاف برسرپیکار رہیں۔ ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ شہروں اور قلعوں میں نقب لگاتے تھے۔ پھر جب عذاب آیا تو ان کو بھاگنے کا ٹھکانہ نہ ملا۔ مثال آخری آیت میں ہے اور مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان واضح نشانیوں سے نصیحت اور سبق کون حاصل کرتا ہے۔ جس شخص کے سینے میں قلب سلیم ہو یا وہ کان لگا کر سُنے اور ہمہ تن گوش ہو کر پوری توجہ اس پر مرکوز کر دے۔

قلب سلیم اللہ کی خاص نعمت ہے اور ساتھ جب وہ ہمہ تن گوش ہو اور پوری توجہ (CONCENTRATION) سے سُنے تو سونے پر سہاگے کا کام ہے

خلاصہ مثال

۱۔ ہم پہلے بھی کتنی شان و شوکت اور قوت والی امتیں ختم کر چکے۔

۲۔ ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ وہ شہروں اور قلعوں میں نقب لگاتے تھے۔
۳۔ جب عذاب آیا تو ان کو بھاگنے کا ٹھکانہ نہ ملا۔
۴۔ ان باتوں سے نصیحت وہ حاصل کرتا ہے جس کے پاس قلب سلیم ہو۔
۵۔ یا وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری توجہ سے بات کو سنے۔

مثال ۳۱۔ قوم صالح پر عذاب کی مثال

سورۃ القمر، آیت ۳۰ ۔ ۳۱

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ (۳۰) إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (۳۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (۳۲)

مفہوم: پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور ڈرانا (۳۰) ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی باڑ کانٹوں کی (۳۱)

قوم صالح پر عذاب نازل ہوا۔ وہ چنگھاڑ کا عذاب تھا جس عذاب کے نتیجے میں وہ قوم ایک روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ کی مانند ہو گئی۔ ہمارے شہروں میں بسنے والے احباب شاید کانٹوں کی روندی ہوئی باڑ کا پورا ادراک نہ کر سکتے ہوں، مگر دیہاتوں میں بسنے والوں کو معلوم ہے کہ کانٹوں کی سوکھی باڑ کو جب روندا جائے تو اس کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ اس کے کانٹے جھڑ کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ ٹہنیاں ٹوٹ کر لٹک جاتی ہیں۔ وہ باڑ جو کبھی کھیتی کی حفاظت کیا کرتی تھی اب خود خس و خاشاک کا ڈھیر ہے۔

خلاصہ مثال

۱۔ قوم صالح پر اللہ کا عذاب ایک چنگھاڑ کی صورت میں آیا۔
۲۔ اس عذاب کے نتیجے میں ان کی کیفیت ایک روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ کی طرح ہوگئی۔

مثال ۳۲۔ مثال تین گروہوں کی دن قیامت کے

سورۃ الواقعہ ۷ سے ۴۴

وکنتم ازواجا ثلثة (۷) فاصحب الميمنة ما اصحب الميمنة (۸) واصحب المشئمة ما اصحب المشئمة (۹) والسبقون السبقون (۱۰) اولئك المقربون (۱۱) في جنت النعيم (۱۲) ثلة من الاولين (۱۳) وقليل من الاخرين (۱۴) على سرر موضونة (۱۵) متكين عليها متقبلين (۱۶) يطوف عليهم ولدان مخلدون (۱۷) باكواب واباريق وكاس من معين (۱۸) لا يصدعون عنها ولا ينزفون (۱۹) وفاكهة مما يتخيرون (۲۰) ولحم طير مما يشتهون (۲۱) وحور عين (۲۲) كامثال اللؤلؤ المكنون (۲۳) جزاء بما كانوا يعملون (۲۴) لا يسمعون فيها لغوا ولا تاثيما (۲۵) الا قيلا سلما سلما (۲۶) واصحب اليمين ما اصحب اليمين (۲۷) في سدر مخضود (۲۸) وطلح منضود (۲۹) وظل ممدود (۳۰) وماء مسكوب (۳۱) وفاكهة كثيرة (۳۲) لا مقطوعة ولا ممنوعة (۳۳) وفرش مرفوعة (۳۴) انا انشانهن انشاء (۳۵) فجعلنهن ابكارا (۳۶) عربا اترابا (۳۷) لاصحب اليمين (۳۸)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ (۳۹) وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (۴۰) وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (۴۱) فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ (۴۲) وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ (۴۳) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ (۴۴)

مفہوم — اور تم ہو جاؤ تین گروہ (۷) پھر داہنے والے۔ کون ہیں داہنے والے (۸) اور بائیں والے کون ہیں بائیں والے (۹) اور پیش پیش (۱۰) وہ لوگ ہیں مقرب (۱۱) باغوں میں نعمت کے (۱۲) انبوہ ہے پہلوں میں سے (۱۳) اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے (۱۴) بیٹھے ہیں پلنگوں پر سونے سے بنے (۱۵) تکیے دیئے ان پر ایک دوسرے کے مقابل (۱۶) پھرتے ہیں ان کے اردگرد لڑکے سدا رہنے والے (۱۷) لیئے آبخورے اور جام اور پیالے نتھری شراب کے (۱۸) جس سے نہ سر دکھے اور نہ بکنا لگے (۱۹) اور میوے جو لینے چن لیں (۲۰) اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس قسم کا جی چاہے (۲۱) اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں (۲۲) جیسے لپٹے ہوئے موتی (۲۳) بدلہ اس کا جو کرتے تھے (۲۴) نہیں سنتے وہاں بکنا اور نہ جھوٹ لگانا (۲۵) مگر ایک قول سلام سلام (۲۶) اور داہنے والے کیسے داہنے والے (۲۷) رہتے ہیں کانٹے جھاڑے ہوئے بیری کے درختوں میں (۲۸) اور کیلے (۲۹) اور چھاؤں (۳۰) اور پانی بہتا ہوا (۳۱) اور میوے کثرت سے (۳۲) نہ ٹوٹے اور نہ روک (۳۳) اور فرش بچھے ہوئے (۳۴) ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر (۳۵) پھر کیا ان کو کنواریاں (۳۶)

ان آیات میں آیت ۷ سے لے کر آیت نمبر ۴۶ تک قیامت کے دن نوع انسانی کے تین گروہوں میں تقسیم کا مذکور ہے۔ اور ان تینوں گروہوں کو ان کے اعمال کی نسبت سے تقسیم کیا گیا ہے اور اس تقسیم کی نسبت سے ان کے ساتھ جزا و سزا کا معاملہ طے ہونا بتلایا گیا۔

اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ نوع انسانی قیامت کے دن تین گروہوں

میں بٹ جائے گی۔ ایک دائیں بازو والے دوسرے بائیں بازو والے۔ اور تیسرے سب
سے آگے آگے۔

جو گروہ سب سے پیش پیش ہو گا وہ مقربین کا گروہ ہو گا۔ جن کو انعام کے طور پر
نعمت کے باغ عطا ہوں گے۔ یہ سونے سے بنے پلنگوں پر گاؤ تکیے لگائے ایک دوسرے
کے بالمقابل بیٹھے ہوں گے۔ ان کے اردگرد نتھری شراب کے آبخورے اور
جام لئے ہوئے سدا رہنے والے خوبصورت لڑکے پھر رہے ہوں گے۔ یہ شراب
ایسی ہو گی جس سے نہ طبیعت میں گرانی ہو گی اور نہ نشہ۔ ان کے لئے پھل ہوں گے
جو وہ منتخب کریں گے۔ اور اڑتے طیور کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے اور بڑی
بڑی آنکھوں والی خوبصورت دوشیزائیں۔ جیسے لپٹے ہوئے موتی۔ ایسے ماحول میں
جھوٹ اور بکواس وہاں ان کی سماعت پر بار نہ بنے گی۔ کیونکہ وہاں گفتگو سلامتی
کی ہو گی۔ یہ بدلہ ہو گا ان کے اعمال کا۔ اور اس انبوہ میں پہلوں میں سے کثرت سے
ہوں گے اور پچھلوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔

دوسرا گروہ

یہ گروہ دائیں بازو پر مشتمل ہو گا۔ جو بیری کے کانٹوں سے پاک درختوں
میں رہتے ہوں گے۔ ان کے لئے کیلے تہہ در تہہ ہوں گے اور گھنی
چھاؤں ہو گی۔ بہتا ہوا پانی پینے کو ہو گا۔ اور میوے کثرت سے ہوں گے۔ جو نہ گھٹیں
گے اور نہ ہی ان کی میووں کے کھانے میں کوئی رکاوٹ ہو گی اور اونچی باعزت بیٹھنے کی
جگہیں ہوں گی، بچھونے لگے ہوں گے۔ دوشیزائیں جن کو جسمانی اور روحانی لحاظ سے ایک خاص
معیار پر بنایا گیا ہے اور وہ ایسی دوشیزائیں جو دل لبھاتی ہیں۔ ایک ہی عمر کی اور کنواریاں۔
یہ سب انعام دائیں بازو والوں کے لئے ہے۔ اس گروہ میں پہلوں سے بھی کثرت سے
لوگ شامل ہیں اور پچھلوں سے بھی کثرت سے لوگ شامل ہیں۔

تیسرا گروہ

بائیں بازو والے گروہ کا یہ حال ہے کہ وہ آگ کی بھاپ اور جلتے پانی میں

ہوں گے۔ اور ان کے سروں پر دھوئیں کی چھاؤں ہوگی۔ جو نہ ٹھنڈی ہوگی اور نہ ہی عزت کی ہوگی۔ ہاں البتہ اس مقام سے پہلے وہ بڑے آسودہ حال لوگ تھے اور گناہوں کی لذت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور گناہوں پر ضد کے ساتھ قائم تھے۔

ان تینوں گروہوں کے اعمال اور انجام کا فرق بیان ہوا۔ سبقت لے جانے والا گروہ انبیاء، صدیق، شہداء، صالحین اور جو لوگ ان کی اتباع کریں گے۔ ان کو جن انعامات سے نوازا جائے گا۔ وہ بھی عظیم انعام ہیں۔ یہ لوگ ایسے لگتے ہیں جیسے مہمان خصوصی ہیں ان کے لئے دعوت کا انتظام کیا گیا۔ ہر شے عمدہ اور وافر ان کے لئے حاضر کر دی گئی ہے۔ ان حاضرہ اشیاء کی مثال تو دنیوی اصطلاحوں میں ہی دی جا سکتی تھی۔ اور یہی اسلوب اپنایا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اشیاء اپنے اثر اور اپنی شکل اور اپنی خصوصیات میں ان اشیاء سے کہیں زیادہ بہتر ہوں گی۔ جن کے ساتھ ان کی مثال دی گئی ہے۔

دوسرا گروہ بائیں بازو والا۔ آج دنیا بائیں اور دائیں بازو کے نظریات میں بٹی ہوئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کی نظریاتی تقسیم کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا یہ آفاقی نظریہ تقسیم تھا یا نہ۔ مگر یہ امر وضاحت طلب ہے کہ اگر دائیں اور بائیں بازو کی موجودہ کشمکش کا بغور مطالعہ کریں تو انجام کار ان کے احوال کچھ اس مثال سے مماثلت رکھتے ہیں۔ ایک لطیفہ بیان کیا جاتا ہے کہ

سائبیریا میں ایک شخص تشدد کا نشانہ بن کر جاں بحق ہوگیا ملحد اشتراکی تھا۔ لہٰذا فرشتے اسے جہنم میں لے گئے تو وہاں پہنچ کر وہ گویا ہوا کہ اب جنت میں پہنچ کر مزا آگیا ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ جنت نہیں جہنم ہے۔ اس پر اس نے جواب دیا، کچھ بھی ہو سائبیریا کے کیمپ سے تو یہ جگہ بہتر ہے۔

خیر میں تو ذکر کر رہا تھا دوسرے گروہ کا جسے قرآنی اصطلاح میں کئی مقامات پر دائیں بازو والا گروہ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیوی امور میں بھی سرتاپا ملوث رہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کے ابدی پیغام سے

ہدایت بھی حاصل کرتے رہے اور اپنے امور کو اس ہدایت کی روشنی میں اکثر و بیشتر طے کرتے رہے اور جن کے نامہ اعمال گناہ و ثواب کا حسین امتزاج ہیں اور جن کی نیکیاں ان کے گناہوں پر حاوی ہیں۔ یہ داہنے والے وہ لوگ ہیں جو دنیا کے دریا میں متلاطم موجوں پر تختہ بند ہیں اور دامن کو بچاتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھار دامن تر بھی ہو جاتا ہے۔ جو تقاضائے بشریت ہے۔ یہ وہ ہیں جو امتحان میں اول پوزیشن تو حاصل نہیں کر سکے تاہم پاس ضرور ہو گئے ہیں۔ ان پر بھی اللہ کے انعام واکرام ہیں۔ گو وہ اس نوعیت کے نہ ہیں جو پہلے گروہ کے اوپر ہیں۔ اس گروہ میں پہلوں میں اور پچھلوں میں سے انبوہ کثیر شامل ہیں۔

اس کے بعد تیسرے گروہ کا مذکور ہے جو ان تیرہ بختوں پر مشتمل ہے جو اس منزل میں تو آسودہ حال تھے۔ مگر اس آسودگی کو انہوں نے حصول رحمت خداوندی کے لئے استعمال نہ کیا۔ یہ بائیں بازو کی علامت ہے۔ جو اپنے نظریات ایمانیات۔ اور اعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے ان کا ٹھکانہ بھاپ کی آنچ کے اور جلتے پانی کے درمیان ہے۔ اور ان کے سروں پر دھوئیں کی چھاؤں ہے۔ جو نہ ٹھنڈی ہے اور نہ ہی عزت کی حامل ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ اپنی آسودہ حالی کی وجہ سے اتراتے تھے۔ اور اس پر ضد کے ساتھ قائم تھے۔

خلاصہ مثال

۱۔ قیامت کے دن تمام نوع انسانی تین گروہوں پر مشتمل ہو گی۔

۲۔ سب سے مقدم وہ گروہ ہو گا۔ جو نیکیوں میں پیش پیش ہو گا۔ اس پر اللہ کا بے بہا کرم اور انعام ہو گا۔

۳۔ اس کے بعد دوسرا گروہ داہنے بازو والا گروہ ہو گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعام کا مستحق ہو گا۔

۴۔ تیسرا گروہ بائیں بازو والا گروہ ہو گا جو اللہ کے غیض و غضب کا شکار ہو گا۔
۵۔ پہلے گروہ میں پہلوں میں سے زیادہ لوگ ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم ہوں گے۔
۶۔ دوسرے گروہ میں پہلوں میں سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اور پچھلوں میں سے بھی زیادہ لوگ شامل ہوں گے۔

مثال ۳۳۔ حیاتِ دنیوی کی مثال

سورۃ الحدید۔ آیت ۲۰

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۲۰)

مفہوم۔ جان رکھو کہ دنیا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ (زینت) اور تفاخر ایک دوسرے کے مابین۔ اور بہتات ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی بمثل مینہ کے جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ اگتا پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے روندا ہوا۔ اور پچھلے گھر میں سخت مار ہے اور معافی بھی اللہ سے رضامندی اور دنیا کا جینا تو یہی ہے جنس دغا کی (۲۰)

اس سے قبل کی آیت میں مومن اور کافر کے انجام کا فرق بتلایا ہے جس کا اس مثال سے گہرا تعلق ہے۔ لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس آیت کا مفہوم بھی بیان کر دیا جائے۔

"اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور شہید اپنے رب کے حضور ان کا ہے اجر اور ان کا ہے نور اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے لوگ"

حیات دنیوی کے عارضی ہونے کی مثال دی، کہ یہ ایک کھیل تماشا ہے جس نے بالآخر ختم ہونا ہے۔ کھیل تماشے مستقل نہیں ہوا کرتے۔ اس میں بسنے والے ایک دوسرے کے باہم زیب و زینت اور فخر و انبساط کے عادی ہیں، اور کوشاں ہیں ان معمولی نوعیت کے معاملات میں ایک دوسرے پر برتری لے جانے میں۔ اور کوشاں ہیں کہ ان کو دوسرے سے مال اور اولاد میں زائد حصہ مل جائے۔ اور اس کثرت مال و اولاد پر دوسروں پر افتخار اور برتری حاصل کر لیں۔

اس زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کا پانی، پانی برسا اور کسان کا دل خوش ہو گیا، کیونکہ اس پانی کے ذریعہ سے سبزہ اُگ آیا۔ جو سبزہ ہر طرف چھا گیا اور تمام زمین ہری ہو گئی۔ سبزہ اپنے جوبن پر ہے اور ہر طرف سرسبزی اور شادابی نظر آ رہی ہے۔ اس کے بعد یہی سبزہ زردی کا روپ دھار لیتا ہے یہ زردی کمزوری کی علامت ہے۔ پھر زردی سے بھی اگلا مرحلہ آ جاتا ہے۔ یہ زردی بھی باقی نہیں رہتی اور وہی سبزہ زردی کا روپ دھارنے کے بعد روندا جاتا ہے۔ یعنی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور انجام کار منزل فنا سے گزر کر دار البقا میں داخل ہونا ہے۔ وہاں سخت عذاب ہے، ہاں وہاں اللہ کی طرف سے معافی اور رضامندی بھی ہے۔ یہ ہے جینا دنیا کا جیسے بارش ہو، پھر سبزہ اگے۔ پھر وہ زرد ہو۔ اور بالآخر روندا جائے اور ختم ہو جائے، یہی زندگی ہے بے ثبات اور چند روزہ۔

خلاصہ مثال

۱۔ دنیا کھیل تماشے کی مانند ہے، جو عارضی ہے جسے ثبات نہ ہے۔
۲۔ یہ ایک عارضی جگہ ہے، جہاں ایک دوسرے کے مابین بناؤ سنگھار اور تفاخر کا مقابلہ ہوتا ہے۔
۳۔ ایک دوسرے پر مالی اور عددی لحاظ سے برتری حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔
۴۔ اس دنیا کی مثال بارش کے پانی کی سی ہے۔
۵۔ جس پانی سے سبزہ اگتا ہے اور کسان کا دل خوش ہو جاتا ہے۔
۶۔ یہ سبزہ پھر ہر طرف چھا جاتا ہے اور زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے،
۷۔ یہ سبزہ پھر زردی کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔
۸۔ پھر یہ زرد رو نباتات اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔
۹۔ یہ تمام تر پھر روندے ہوئے بھس کی مانند ہو جاتا ہے۔
۱۰۔ اس دار فانی سے گزر کر دار البقا کی منزل آتی ہے۔ جہاں اللہ کا عذاب ہے معافی ہے۔ رضا مندی ہے اور سب کا انحصار اس دنیا کے اعمال پر ہے۔

مثال ۴۴۔ یہود کے تورات کو اٹھانے کی مثال

سورۃ الجمعۃ، آیت ۵

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵)

مفہوم مثال ان کی جن پر لادی تورات پھر نہ اٹھائی انہوں نے۔ مثال ایک گدھے کی پیٹھ پر ہے چلتا ہے کتابیں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلائیں اللہ کی باتیں اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

..یہود کی مثال دی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات سے نوازا۔ یہ اللہ کا پیغام تھا جس کا نزول ان کے لئے باعث سعادت اور خیر و برکت تھا۔ مگر انہوں نے اس کتاب سے استفادہ نہ کیا اور ان کی مثال ایسی رہی جیسے ایک گدھے کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ۔ وہ ساری عمر اس بوجھ کے نیچے دبا رہے مگر ان کتابوں کے علوم و فنون سے رہنمائی حاصل نہ کر سکے گا۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حامل کتاب ہو کر بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اللہ راہ پر نہیں لاتے بے انصاف لوگوں کو۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ اللہ کے احسان عظیم کو یعنی کتاب ہدایت کو بے کار اور معطل بنا کے رکھ دیا۔ اور اس نور سے اپنے آپ کو محروم رکھا۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو ادا کیا۔

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود
چوں بہ آید ہنوز خر باشد

خلاصہ مثال

۱۔ یہود جن پر تورات نازل ہوئی کی مثال ایسی ہے جیسے
(ا) اک گدھا جس پر لدی ہوں کتابیں اور وہ ان کو لے کر چلا جا رہا ہو۔
(ب) بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو۔
(ج) اور اللہ راہ نہیں دیتے بے انصاف لوگوں کو۔ معلوم ہوا کہ اللہ

سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے انسان میں انصاف کا ہونا اشد ضروری ہے۔

مثال ۳۵۔ منافقین کے ظاہر کی مثال

سورۃ المنٰفقون۔ آیت ۴۔

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ (۴)

مفہوم اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل ڈول، اور اگر کہیں سنے تو ان کی بات۔ ایسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے۔ جو کوئی چیخے جانیں ہم پر بری بلا آئی۔ وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ۔ گردن مارے ان کی اللہ گمان سے پھرے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ منافقین کی مثال دیتے ہیں کہ ان کا ظاہر بڑا دلفریب اور خوش کن ہے، وہ اپنے ظاہر کو ایسے آراستہ کر کے رکھتے ہیں کہ دیکھنے والے کو ان کا ڈیل ڈول۔ ان کی چال ڈھال۔ ان کا انداز اور اُن کی گفتگو بھا جائے گفتگو میں وہ بڑے لسان اور چرب زبان ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا سارا دارومدار ہی ظاہر پر ہوتا ہے لہٰذا اسے وہ آراستہ و پیراستہ رکھتے ہیں۔ ان کی باتیں دل لبھانے والی کہ سننے کو جی چاہتا ہے۔

، وہ ایسے ہیں۔ جیسے دیوار پر لکڑی لگا کر اسے خوشنما کر دیا جائے۔ اور دیوار کے جملہ عیوب اس لکڑی کے پیچھے چھپا دیئے جائیں۔

کے اندر کی حیثیت یہ ہے کہ انتہائی بزدل، ڈرپوک۔ اگر کوئی ذرا آواز بلند کرے تو سمجھیں کہ ان پر کوئی آفت پڑنے والی ہے۔ ذرا سے کھڑاک سے بدک جائیں، یہ خوف ان کی باطنی خباثت کی وجہ سے ہے۔ یہی دشمن دین وایمان ہیں اور دشمن جماعت مسلمین ہیں، ان سے بچنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گردن زدنی ہیں اور کس طرف پھرے جا رہے ہیں۔

خلاصہ مثال

۱۔ منافق کا ظاہر بڑا دلفریب ہوتا ہے۔

۲۔ ان کی باتیں دل لبھانے والی ہوتی ہیں۔

۳۔ ان کا ظاہر ایسے ہی ہے جیسے دیوار پر لکڑی لگادی جائے اور اس سے دیوار کے جملہ عیب چھپ جائیں۔

۴۔ ان کی بزدلی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر کوئی کھڑاک بھی ہو تو بدک جائیں اور جانیں ان پر بلا آن پڑی ہے۔

۵۔ یہی لوگ مسلمانوں کے دشمن ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان سے بچ کر رہیں۔

مثال ۳۶، ذمہ داری اعمال و نفی رشتہ و قرابت

سورۃ تحریم۔ آیت ۱۰ تا ۱۲

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ (۱۰) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ

بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ (١١) وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ

مفہوم کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ زوجہ نوح علیہ السلام اور زوجہ لوط علیہ السلام کی مثال دیتا ہے۔ کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی اس لیئے ان کے شوہر اللہ سے اُن کے حق میں کچھ حاصل نہ کر سکے۔ اور ان سے کہا گیا کہ دوزخیوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے زوجہ فرعون کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا۔ اے میرے پروردگار میرے لئے اپنے ہاں بہشت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے نجات دے۔ اور مجھے بچا ان ظالموں سے اور اللہ دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریم کی دیتا ہے۔ جو پاکباز اور عفیفہ تھی۔ پھر ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی اور اس نے ہمارے کلمات اور ہماری کتابوں کی تصدیق کی نیز وہ ہمارے فرمانبردار با ادب بندوں میں تھی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین مثالیں دی ہیں۔ ان مثالوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون مکافات عمل کو اُجاگر کیا ہے۔ اور عدل و انصاف کے اساسی و ابدی اصولوں کو واضح کیا ہے۔ جس میں کسی قسم کی قرابتداری اور ناطہ و رشتہ مفید ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی مثال میں نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کا مذکور ہے جو اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دو مقرب بندوں کے عقد میں تھیں تاہم انہوں نے احکامات الٰہیہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ان مقربین خدا کی اطاعت اور اتباع نہ کی۔ اور اس طرح ان کے ساتھ خیانت کی مرتکب ہوئیں۔ ان کے اعمال کی سزا ان کو مل کر رہی۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقربین کے ساتھ قریبی رشتہ اور تعلق بھی ان کے لئے سودمند ثابت

نہ ہو سکا، اور وہ دوسرے دوزخیوں کے ساتھ اپنے اعمال کے نتیجہ میں دوزخ میں جھونک دی گئیں اس سے واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل میں انعام واکرام کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس نے اس قانون فطرت کے مطابق عمل کیا اور جس نے اس قانونِ فطرت کو توڑا اسے اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑی اور خونی جسمانی مادی رشتے اس کے کسی کام نہ آئے۔ اسی اصول کو قرآن حکیم میں متعدد دیگر مقامات پر بھی دھرایا گیا تاکہ یہ بات مسلمان کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ غلط سہاروں پر تکیہ کر کے اپنی عاقبت نہ گنوا بیٹھے اور بعد ازاں پچھتاوے کا شکار ہو۔

دوسری مثال فرعون کی زوجہ کی دی کہ یہ عورت مومنہ تھی۔ اگرچہ فرعون کے عقد میں تھی مگر اس کے اعمال بد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتی تھی کہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے، فرعون اور اس کے ظالم ساتھیوں میں گھری ہوئی تھی، اور ان سے نجات کی طالب تھی، یہ عورت قلب سلیم کی مالکہ تھی، لہٰذا وہ ایسے قبیح ماحول میں گھر کر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی تھی اور فرعون سے دوری کی طالب تھی۔

اس مثال سے یہ واضح کیا گیا کہ ماحول کتنا غیر مانوس اور باغیانہ کیوں نہ ہو، اللہ کے بندے ایمان کی دولت نہیں لٹاتے اور اس خزانے کو اپنے قلوب میں یوں سنبھال لیتے ہیں جیسے سیپی موتی کو موج کے تھپیڑوں سے بچا کے رکھتی ہے۔ اور پھر اس مومنہ کو فرعون کی رفاقت اور ناطے کی سزا نہیں ملے گی، اس کے اعمال کا اجر اور جزا ملے گی۔ اور فرعون اپنے کئے کی خود سزا بھگتے گا، کیونکہ یہ مومنہ اس کے کسی عمل میں شریک نہ ہے۔ بلکہ اس کے اعمال بد سے اللہ کی پناہ طلب کر رہی ہے اور فرعون اور اس کے ٹولے سے نجات طلب کر رہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور عمل صالح کی بدولت جزا کی استدعا کرتی ہے۔ اس میں بھی اللہ کے مبنی بر انصاف قانون کا یہ اصول پنہاں ہے کہ ہر فرد اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے

یہ دونوں مثالیں ایسی نیک عورتوں کی ہیں جو بَد افراد کے تابع تھیں۔ اب ایک ایسی پاکدامن، باعفت، پاک بی بی کی مثال ہے جس کی زندگی میں کسی مرد کا دخل نہ تھا۔ اس پاکدامن بی بی کی مثال اس لئے دی گئی کہ اس پر یہود نے الزام تراشی کی اور اس تہمت کو دھونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کا ذکر فرمایا۔ یہ حضرت مریم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے جسم کو کسی مرد نے چھوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے نوازا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح ان میں پھونکی اور جو بچہ پیدا ہوا اس نے اللہ تعالیٰ کے کلمات اور کتابوں کی تصدیق کی اور حضرت مریم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار باادب بندوں میں سے تھیں۔

خلاصہ مثال

۱۔ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں خائن تھیں اور اسی وجہ سے اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکیں۔

۲۔ فرعون کی بیوی مومنہ تھی اور فرعون کے اعمال بد سے اللہ کی پناہ مانگا کرتی تھی۔

۳۔ فرعون اور اس کے ظالم ٹولہ سے نجات کی متمنی تھی۔

۴۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جزائے خیر کی طالب تھی۔

۵۔ حضرت مریم پاکدامن اور عفیفہ تھیں۔

۶۔ ان کے جسم کو کسی مرد نے نہ چھوا تھا۔

۷۔ ان کے اندر اللہ نے اپنی روح پھونکی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمات اور کتابوں کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور حضرت مریم اللہ کی فرمانبردار اور متقی خاتون تھیں۔

مثال ۔ ۷۳ ۔ منہ کے بل چلنے اور سیدھا چلنے والے کی مثال

سورت الملک آیت ۲۲

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲۲)

مفہوم ۔ بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ پر وہ ہدایت پر ہے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ۔

اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے فرق واضح کیا ہے ۔ دو انسانوں کا جو اپنے طور پر عمل پیرا ہیں ۔ ایک ہے جو اوندھے منہ چل رہا ہے ۔ جو چلنے کا نہ تو معروف طریق ہے اور نہ ہی مناسب ۔ اس طرح چلنا یا تو جسمانی کمزوری کی بنا پر ہے یا پھر چلنے والے کی ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کی نشاندہی کرتا ہے ۔ یوں چلنا کسی طور پر بھلا معلوم نہیں ہوتا ۔ اس کے مقابلے میں ایک شخص سیدھا چل رہا ہے اور وہ ہے بھی صراط مستقیم پر ، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ۔

اس مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کافر ، مشرک ، منافق اور اس کے مقابلے میں ایک مسلمان مومن کا فرق بیان کر رہے ہیں ، کافر جس نے سرے سے انکار کیا اللہ تعالیٰ کا اور اس کے انبیاؑ کا ، کتب کا ، ملائکہ کا اور قیامت کا ، مشرک جس نے مفاد دنیوی کو ترجیح دی ۔ یہ تینوں افراد ایسے ہیں ، جیسے کوئی منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو ۔ ذرا ملاحظہ کیجئے کیسی مکمل اور بھرپور مثال ہے ۔ اس کے برعکس مسلمان مومن کی مثال ایسے ہے جیسے کامل صحت مند انسان فطری تقاضوں کے مطابق چل رہا ہو ۔ اور اس کا یوں چلنا بھی معقول اور مناسب اور جس راہ پر وہ گامزن ہے وہ بھی سیدھی راہ ، بھلا یہ دونوں افراد معاشرہ

ہیں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور جب یہ برابر نہ ہیں تو ان کی ذات کے اثرات معاشرہ پر بھی وہی مرتب ہوں گے۔ جو ان کی چال سے عیاں ہیں۔

خلاصہ مثال

۱۔ ایک شخص اوندھے منہ چل رہا ہے۔
۲۔ ایک شخص سیدھا چل رہا ہے اور وہ راہ راست پر بھی ہے۔
۳۔ یہ دونوں افراد معاشرہ میں اپنی چال ڈھال میں اور معاشرہ پر اپنے اثرات کے لحاظ سے کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

مثال ۳۸۔ عاد اور ثمود پر عذاب کی مثال

سورۃ الحاقہ آیات ۱ تا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ اَلْحَاقَّةُ (۱) مَا الْحَاقَّةُ (۲) وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ (۳) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ (۴) فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ (۵) وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (۶) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (۸)

مفہوم۔ وہ ثابت ہو چکی (۱) کیا ہے وہ جو ثابت ہو چکی (۲) اور تو نے کیا پوچھا کیا ہے وہ جو ثابت ہو چکی (۳) جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکے والی کو (۴) سو جو ثمود ہے سو کھپائے گئے او جھال (ابو جہال) سے (۵) اور جو عاد تھے وہ کھپائے گئے ٹھنڈی سناٹے کی باؤ سے (۶) تعین کی ان پر سات رات اور آٹھ دن پھر تو دیکھے لوگ اس میں بچھڑ گئے جیسے وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے کھوکھرے (۷) پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا (۸)

ان آیات کریمہ میں عاد اور ثمود پر اللہ کے عذاب کو ایک مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ الحاقہ۔ وہ بات جو حق ہو، اور جو ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عاد اور ثمود نے قیامت کے انجام کو جھٹلایا اور وہ تو ثابت ہو گیا، پھر اس جھٹلانے کے نتیجے میں ثمود تو بھونچال کی نذر ہوئے اور عاد ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے تباہ ہوئے، یہ سناٹے کی ہوا۔ ان پر سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور لوگ اس طوفانی ہوا میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ پھر وہ تباہ ہو کر ایسے ہو گئے جیسے کھجور کے کھوکھرے تنے۔ بے جان، بے حس، بے مصرف بے سود اور کوئی بھی ان کا نہ بچا سکا۔

خلاصہ مثال

۱۔ عاد اور ثمود نے جھٹلایا قیامت کے انجام کو۔
۲۔ ثمود کو بھونچال سے تباہ کیا گیا۔
۳۔ عاد کو سناٹے کی سرد ہوا سے، جو ان پر سات رات اور آٹھ یوم تک چلتی رہی۔
۴۔ وہ اس طوفانی ہوا میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔
۵۔ پھر وہ اس طرح تباہ ہو گئے جیسے کھجور کے کھوکھرے ڈھنڈ۔
۶۔ اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔

مصنف : سید مسعود احمد شاہ

پرنٹر : احمد محمود

مطبع : عبدالواحد پریس بہاولپور

قیمت : ۲۰/- روپے

بار : اول

تعداد : ۵۰۰

تاریخ اشاعت : ۲۷ رمضان ۱۴۰۷ھ

مطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۷ء

سید مسعود احمد شاہ